جناب عبدالستار غوری کا سانحۂ ارتحال

انا للہ وانا الیہ راجعون

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جون ۲۰۱۴ء

زیرسرپرستی

جاوید احمد غامدی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

المورد

فہرست

اس شمارے میں	نعیم احمد	۴
ہمارے غوری صاحب	جاوید احمد غامدی	۵
عبدالستار غوری ـــــ میرا دوست میرا غم گسار	پروفیسر خورشید عالم	۷
جناب عبدالستار غوری رحمہ اللہ	محمد عمار خان ناصر	۱۲
توقیر کی صورت مجسم	ڈاکٹر شہزاد سلیم	۱۶
عبدالستار غوری مرحوم	طالب محسن	۲۰
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے	ریحان احمد یوسفی	۲۲
وہ نکہتیں نہیں باقی تو لو ہوا ہوئے ہم	سید منظور الحسن	۲۵
عبدالستار غوری	محمد وسیم اختر مفتی	۲۹
عبدالستار غوری مرحوم	ساجد حمید	۳۲
عبدالستار غوری: ایک صاحب تحقیق شخصیت	شاہد رضا	۳۵
ابو کی یاد میں	احسان الرحمٰن غوری	۴۲
چند یادیں چند باتیں	–	۴۵
کارکنانِ ''المورد'' کے تاثرات	–	٦۷

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

اس شمارے میں

۲۲؍ اپریل ۲۰۱۴ء کو ''المورد'' ادارۂ علم و تحقیق کے ریسرچ فیلو جناب عبدالستار غوری وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۲۱؍ اپریل پیر کی صبح انھیں دل کا دورہ پڑا۔ لاہور کے جناح ہسپتال کی ایمرجنسی میں ایک دن بے ہوشی میں رہے اور پھر اگلے دن فجر سے کچھ پہلے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی میت کو ٹیکسلا میں سپرد خاک کیا گیا:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

جناب عبدالستار غوری کم و بیش بیس سال تک فیلو کی حیثیت سے ''المورد'' کے ساتھ وابستہ رہے۔ وہ قدیم صحائف کے ایک بڑے عالم اور محقق تھے۔ علمی تحقیق کے لیے انھوں نے بائیبل کے ان اجزا کو موضوع بنایا تھا جو نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں۔ ماہنامہ ''اشراق'' کا زیر نظر شمارہ جناب عبدالستار غوری کی یاد میں خصوصی اشاعت کے طور پر شائع کیا گیا ہے۔ اس کے بیش تر مضامین ''المورد'' میں غوری صاحب کے رفقا اور احباب نے تحریر کیے ہیں۔ ان میں انھوں نے غوری صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے اور ان کے ساتھ بیتے ہوئے دنوں کی یادوں کو تازہ کیا ہے۔ اس شمارے میں ''اشراق'' کے باقاعدہ مصنفین کے ساتھ ساتھ بعض نئے لکھنے والوں کی تحریریں بھی شامل ہیں۔ گویا جس نے جس انداز میں بھی غوری صاحب سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے، اسے قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

ہمارے غوری صاحب

عبدالستار غوری کم و بیش بیس سال سے ''المورد'' کے فیلو کی حیثیت سے ہمارے ادارے کے ساتھ وابستہ تھے۔ چند سال کے لیے وہ ماڈل ٹاؤن میں میرے ہم سایے میں بھی مقیم رہے۔ اُن کے ساتھ کئی بار علمی مباحث پر تبادلۂ خیالات کا موقع بھی ملا۔ میں جب صدر ادارہ کی حیثیت سے ''المورد'' کے معاملات براہ راست دیکھ رہا تھا تو وہ اپنے کام سے متعلق امور کے لیے بھی رجوع کرتے تھے۔ وہ ہمارے امام بھی تھے۔ چنانچہ ادارے میں موجود ہوں تو نماز کی امامت بالعموم وہی کراتے تھے۔ اُن کا ایک خاص طریقہ یہ تھا کہ وقتاً فوقتاً ادارے میں کھانے کی دعوت کا اہتمام کرتے اور ادارے کے تمام کارکنوں کو اُس میں شرکت کی دعوت دیتے تھے۔ لہٰذا بارہا اُن کے دسترخوان پر کھانا بھی کھایا ہے۔ اِس لحاظ سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اُنھیں قریب سے دیکھا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دین و اخلاق جس پاکیزگی نفس کا تقاضا کرتے ہیں، وہ اُس کا ایک اچھا نمونہ تھے۔ اِس سارے عرصے میں کوئی ایک موقع بھی نہیں ہے، جب اُن کے کسی رویے یا طرز عمل سے مجھے یا ادارے کی انتظامیہ کو کوئی شکایت ہوئی ہو۔ خدا کی سچی معرفت، آخرت کی سچی طلب اور خدا کے بندوں کی سچی خیر خواہی اُن کے امتیازی اوصاف تھے جو اُن کے ہر کام، ہر فیصلے اور ہر رویے سے نمایاں تھے۔ اُنھوں نے اپنی زندگی قدیم الہامی صحائف میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی تلاش کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اِس کام میں اُن کی لگن اُن کا انہماک، اُن کی محنت اور اُن کا ذوق تحقیق اُن تحریروں سے ظاہر ہے جو شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ۲۲ / اپریل ۲۰۱۴ء کی صبح وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ خدا کے ہاں اُن کا کیا مقام و مرتبہ ہے، اِس کا فیصلہ تو ہم عاجز بندے نہیں کر سکتے، لیکن برسوں کے تعلق کی بنا پر اتنی بات، البتہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے نہاں خانۂ وجود میں خدا اور اُس کے رسول کی محبت کا کوئی ایسا سرچشمۂ نور ضرور تھا

جس کی روشنی اُن کے ظاہر میں بھی دیکھی جاسکتی تھی:

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق ازو خیزد
کہ نام آن نہ لب لعل و خط زنگاریست

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

پروفیسر خورشید عالم

عبدالستار غوری ـــ میرا دوست میرا غمگسار

اب یادِ رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اپنے سارے درد بھلا کر دوسروں کے دکھ سہنے والا چلا گیا، انسان کی ہمدردی میں دھڑکنے والا دل ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ جس بستی کو وہ گیا، وہاں جانے والے لوٹ کر نہیں آیا کرتے۔ وہ ان صورتوں میں سے تھا جو پنہاں ہونے کے بعد لالہ وگل میں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس نے تورات وانجیل سے جو پیشین گوئیاں جمع کیں، وہ تحریریں لالہ وگل ہی تو ہیں۔ جب تک وہ تحریریں موجود ہیں، ہم اس جانے والے کو ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۰۰۶ء میں جب میں نے قرآن کالج سے فراغت کے بعد ''المورد'' کی لائبریری میں بیٹھنا شروع کیا تو ایک دن میرے پاس ایک ہنستے مسکراتے خوب صورت چہرے والے باریش انسان بیٹھ گئے اور اپنا تعارف کرایا: عبدالستار غوری۔ وہ اتنی چاہت سے ملے کہ میں اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ کہنے لگے کہ ایل بلاک کی مسجد میں، میں نے آپ کا ایک خطاب سنا ہے۔ وہ جب بھی لائبریری میں آتے، میرے پاس ضرور بیٹھتے۔ وہ ''المورد'' کے فاضل رکن تھے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ مجھے دوسری منزل میں اپنے کمرے میں لے گئے۔ کمرہ کیا تھا، ایک نایاب لائبریری تھی۔ ان کے کمرے میں مختلف زبانوں میں کتاب مقدس اور اس کی کم وبیش تمام شروح موجود تھیں۔ غوری صاحب کو کتاب مقدس سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ وہ پاکستان بھر میں اس کے بہت بڑے عالم تھے، اس کے علاوہ انگریزی، اردو اور عربی کی بے شمار کتابیں ان کی ذاتی لائبریری میں موجود تھیں۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے خلیل

کی کتاب ''العین'' وہاں دیکھی۔ غوری صاحب کو عربی زبان سے بھی لگاؤ تھا اور بڑی اچھی طرح عربی عبارت سمجھ لیتے تھے۔ لفظ خواہ انگریزی کا ہو، اردو کا ہو یا عربی کا، اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ احمد بن فارس بن زکریا کی مشہور لغت ''مقاییس اللغۃ'' بھی ان کی لائبریری میں موجود تھی۔ غوری صاحب نے اپنے کمرے کی ایک چابی میرے سپرد کر دی۔ اس کے بعد میرا یہ معمول بن گیا کہ میں نیچے لائبریری میں ایک اجنبی کے مانند بیٹھنے کے بجائے دوسری منزل پر غوری صاحب کے کمرے میں براجمان ہو گیا۔ سرد موسم، ہیٹر کی حرارت، گرم گرم چائے اور گوجرانوالہ کا پتیسہ یوں لگتا تھا کہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوں۔ مطالعہ کا مزہ آ جاتا۔ نیچے سے کسی کتاب کی ضرورت پڑتی تو عزیزم محمد جاوید اشرف میرے پاس کتاب پہنچا دیتے۔ جب کمپیوٹر کی سہولت میسر نہ تھی، آپ کسی کتاب کا نام لیں، وہ عزیزم اشرف کی نوک زبان پر ہوتی اور وہ فوراً وہ کتاب نکال لاتے۔ اللہ ان کو جزاے خیر دے۔ وہ ''المورد'' کی لائبریری کا قیمتی اثاثہ ہیں۔

میں نے ''اشراق'' میں جتنے مضمون لکھے ہیں، ان کا خاکہ غوری صاحب کے کمرے میں بیٹھ کر ان کی مشاورت سے تیار ہوا۔ اس بات میں رتی بھر مبالغہ نہیں کہ میں غوری صاحب کی انگیخت سے لکھاری بنا۔ چہرے کے پردے کے بارے میں جو مضامین میں قرآن اکیڈمی کے ''حکمت قرآن'' کے جواب میں لکھتا رہا، وہ خاصے ضخیم ہو گئے تو مرحوم غوری صاحب نے مشورہ دیا کہ اسے کتاب کی صورت دے دو۔ میں نے کہا کہ یہ کام بھی آپ کر دیں، یہ میرے بس کا نہیں۔ کمپوزنگ سے لے کر نظر ثانی کا کام میرے اس دوست نے سرانجام دیا۔ کتاب کی اشاعت کا کام بھی غوری صاحب نے اپنے دوست دارالتذکیر کے محمد احسن تہامی کے حوالے کیا، جنھوں نے بڑے خوب صورت انداز میں اسے شائع کر دیا۔ اگر مرحوم غوری صاحب نہ ہوتے تو یہ کتاب کبھی شائع نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے وہ بار بار مشورہ دیتے رہے کہ اس کتاب کو فنی مباحث سے ہٹ کر آسان اور عام فہم زبان میں شائع کر دو۔ افسوس کسل مندی کی وجہ سے میں ان کی خواہش پوری نہ کر سکا۔

''المورد'' کے چھوٹے بڑے سب ملازم غوری صاحب کی خوش اخلاقی کی وجہ سے ان کے گرویدہ تھے اور اس گرویدگی کا فائدہ ان سے بڑھ کر میں نے اٹھایا۔ میں کبھی بھی ''المورد'' کے ادارے کا ملازم نہیں رہا، لیکن سب لوگ مجھے اپنے عملے کا ایک جزو سمجھتے ہیں، یہ سب غوری صاحب کی وجہ سے ممکن ہوا۔ ان ہی کی وساطت سے میں سید منظور الحسن اور مفتی برادران اور معز صاحب اور شہزاد صاحب جیسے اہل قلم اور اہل علم سے متعارف ہوا اور ان کی نگارشات سے فیض حاصل کرتا رہا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ محفل اجڑ گئی۔ غوری صاحب مرحوم نے اپنی کتابیں اپنے گھر منتقل کر دیں اور میں پھر سے ''المورد'' میں اجنبی ہو گیا۔ پھر بھی ہفتے میں ایک بار غوری صاحب مرحوم سے ملاقات ہو جاتی تھی اور سینے میں ٹھنڈک پڑ جاتی تھی۔ وفات سے تین روز پہلے مجھے ان کا فون آیا۔ میں اس وقت اپنے ذاتی کام کے سلسلہ میں کھاریاں میں تھا۔ فرمانے لگے: جب لاہور آؤ تو مجھے فون کر لینا۔ جب میں لاہور پہنچا تو مجھے اشرف صاحب نے فون پر اطلاع دی کہ غوری صاحب ہم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے ہیں۔ آج نو بجے ان کی نماز جنازہ ہے۔ اس وقت پونے نو بجے تھے، بھاگم بھاگ نماز جنازہ میں شریک ہوا۔ نماز کے بعد اپنے دوست کا پر سکون چہرہ دیکھا۔ ماتھے پر بوسہ دیا۔ جنازے کو کندھا دیا اور غم کا مارا گھر لوٹ آیا۔ اَللّٰھم اغفرہ۔ اس کے لیے میں کیا جنت کی دعا کروں وہ تو چلتا پھرتا جنتی انسان تھا اور میں خود اس کی دعاؤں کا محتاج تھا۔ اللہ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اپنی اہلیہ محترمہ کی وفات کے بعد غوری صاحب اداس اداس سے رہتے تھے۔ میں نے مشورہ دیا: دوسری شادی کر لو۔ بڑھاپے میں تنہائی کا احساس قاتل ہوتا ہے۔ یہ مشورہ میں نے دو تین بار دہرایا تو بڑا خوب صورت جملہ ان کے منہ سے نکلا۔ کہنے لگے کہ میری مرحوم بیوی نے خدمت اور وفا شعاری کا ایسا معیار قائم کر دیا ہے کہ اب کوئی دوسری عورت اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتی۔ جب کچھ عرصہ بعد ان کے پراسٹریٹ کا آپریشن ہوا، صحت یابی کے بعد ''المورد'' میں آئے، میں بھی وہاں موجود تھا۔ کہنے لگے: بھئی، میں نے Sex کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ اب کبھی دوسری شادی کا ذکر نہ کرنا۔

غوری صاحب کی اصل شناخت کتاب مقدس کے بارے میں ان کا تحقیقی کام ہے۔ جس خلوص اور عقیدت کے ساتھ انھوں نے یہ کام کیا، اس کی بنیاد پر وہ اسے آخرت میں اپنی بخشش کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

ان کی پہلی کتاب جس سے میں متعارف ہوا وہ: ''The Only Son Offered for Sacrifice: Isaac or Ismael'' ہے۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ ایک اہم کتاب ہے۔ صرف یہود و نصاریٰ ہی کا قول نہیں کہ اسحاق اکلوتے فرزند ذبیح ہیں، بلکہ بعض مسلمان مفکرین کا بھی یہی خیال ہے جن میں امام طبری پیش پیش ہیں۔

فاضل غوری صاحب نے عیسائی اور یہودی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ فرزند اسماعیل ہیں۔ ان کا انداز خالص تحقیقی ہے جو ان کے وسعت مطالعہ پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہود و نصاریٰ اور مسلمان یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۱ ابواب اور ۴ ضمیموں پر مشتمل ہے۔ آخری ضمیمہ، یعنی یروشلم کی تاریخ غوری صاحب کے صاحب زادے احسان الرحمٰن نے لکھا ہے جو پنجاب یونیورسٹی شعبۂ علوم اسلامیہ کے استاد ہیں اور 'الولد سِرّ لأبیه' کے مصداق ہیں۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ مرحوم غوری صاحب کی فرمایش پر میں نے کیا ہے اور اسی ترجمہ کی بدولت میں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کتاب مقدس کی آیات سے روشناس ہوا ہوں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ''المورد'' سے ۲۰۰۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ غوری صاحب کی تحقیق کا اعتراف اندرون اور بیرون ملک ہر جگہ ہوا ہے۔ بھارت کے ایک پبلشر نے بھی اس کتاب کو شائع کیا ہے۔

غوری صاحب کی دوسری کتاب ''Muhammad Foretold in The Bible by Name'' ہے۔ یہ کتاب غوری صاحب نے محبت اور عقیدت میں ڈوب کر لکھی ہے، مگر تحقیق کو انھوں نے مقدم سمجھا ہے۔ جب بھی وہ میرے سامنے اس کتاب کا ذکر کرتے، بھیگی ہوئی آنکھوں اور رندھی آواز سے کہتے: ''میری دعا ہے کہ اللہ اس کتاب کو آخرت میں میری بخشش کا ذریعہ بنائے۔'' مجھے امید ہے کہ اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کی محبت کی ضرور قدر کرے گا۔

اسی کتاب کا پیش لفظ لکھتے ہوئے فاضل محترم جناب معز صاحب نے لکھا ہے کہ ہماری ویب سائٹ ''www.understanding-islam.com'' پر سب سے زیادہ مقبول غوری صاحب کے مضامین اور مقالات ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ''المورد'' سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

ایک اور کتاب ''Hagar, The Princess'' اسلام آباد کے مرکز بین الادیان اور بحوث کے محمد اشرف چھینا کی لکھی ہوئی ہے۔ بظاہر غوری صاحب نے اس کتاب کی نوک پلک درست کی ہے، لیکن درحقیقت انھوں نے اس کتاب کو تحقیق کی سان پر پرکھ کر بالکل نیا روپ دے دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ انھوں نے اس کتاب پر کس قدر محنت کی ہے۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ بھی غوری صاحب کے کہنے پر میں نے کیا ہے۔ یہ کتاب I.S.R.C اسلام آباد سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ان کے کئی ایسے مقالات ہیں جن کو میں پڑھ نہیں سکا۔

عبدالستار غوری پر قرآنی اصطلاح 'الراسخون فی العلم' (علم میں کامل دست گاہ رکھنے والے) کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان کا علم ان کو حیات جاوداں عطا کرے گا۔ کہنے کو وہ ہم سے بچھڑ گئے ہیں، مگر ان کی نگارشات ان کو زندہ رکھیں گی۔ عربی شاعر محمد بن زیاد ابوعبداللہ بن الاعرابی نے کیا خوب صورت بات کہی ہے:

لنا جلساء ما تَمَلّ حديثهم   ألبّاء مأمون غيبًا ومشهدًا
يفيدوننا من علمهم علم من مَضٰى   وعقلاً، وتأديبًا ورأياً مسدّدًا
فإن قلتَ أَموات فما أنت كاذب   وإن قلت أحياءٌ فلست مفنّدًا

''ہمارے ایسے ہم نشیں ہیں جن کی باتیں سن کر ہم بے زار نہیں ہوتے۔ وہ دانش مند ہیں، غیاب وشہود ہیں،

قابل اعتماد ہیں۔ اپنے علم سے گزرے ہوئے لوگوں کے علم سے ہمیں باخبر رکھتے ہیں۔ ہمیں عقل، ادب اور سیدھی راے سے نوازتے ہیں۔ اگر تو کہے کہ وہ مردہ ہیں تو تو جھوٹا نہیں ہے اور اگر تو کہے کہ وہ زندہ ہیں تو بھی تجھے کوئی جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔''

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں انھیں بھلا نہیں پاؤں گا۔ میں جب جب ''المورد'' کی لائبریری میں داخل ہوں گا، مجھے یوں محسوس ہوگا، جیسے وہاں غوری صاحب کھلے بازوؤں سے مجھ سے بغل گیر ہو رہے ہیں:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس ، تم کو میؔر سے صحبت نہیں رہی

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

''عبرانی لفظ 'محمدیم' چھ حروف (م، ح، م، د، ی، م) پر مشتمل ہے۔ آخری دو حروف ('ی' اور 'م') جمع کی علامت ہیں۔ جمع کا یہ صیغہ تعداد کی کثرت کے لیے نہیں، بلکہ عظمت و تکریم کے لیے آیا ہے۔ موقع و محل کی مناسبت سے اس کی ایک نہایت عمدہ مثال لفظ 'الو ھیم' ہے جو عبرانی بائبل میں اللہ تعالیٰ کے نام کے لیے مستعمل ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ 'یہودی' ایک توحید پرست قوم ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر غیر متزلزل ایمان ہے۔ دیکھنے کی بات ہے کہ اس لفظ کا واحد کا صیغہ 'الو ھ' بھی موجود ہے جو بکثرت استعمال بھی ہوتا ہے، لیکن بائبل میں بالعموم اس کا جمع کا صیغہ یعنی 'الو ھیم' ہی جمع تعظیمی کے طور پر مستعمل ہے۔ جمع تعظیمی کی یہی ایک مثال نہیں۔ بائبل میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں خداوند تعالیٰ کے علاوہ بھی جمع تعظیمی کا یہ لاحقہ استعمال کیا گیا ہے۔'' (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں، عبدالستار غوری ۲۲)

محمد عمار خان ناصر

جناب عبدالستار غوری رحمہ اللہ

جناب عبدالستار غوری بھی اپنے وقت مقرر پر اللہ کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده۔ آمین۔

ان سے پہلی ملاقات آج سے کوئی بائیس چوبیس برس قبل گوجرانوالہ میں، جامع مسجد شیرانوالہ باغ میں ہماری رہایش گاہ پر ہوئی۔ وہ اپنے کسی دوست کے ہمراہ والد گرامی سے ملاقات کے لیے آئے تھے۔ (میری یادداشت کے مطابق یہ ڈاکٹر سفیر اختر صاحب تھے، لیکن ایک موقع پر غوری صاحب نے تصحیح کرتے ہوئے غالباً افتخار بھٹہ صاحب کا نام لیا تھا)۔ اس زمانے میں مجھے مسیحیت اور بائیبل کے مطالعے کا نیا نیا شوق، بلکہ کسی حد تک جنون تھا اور میری علمی دل چسپی کا بنیادی دائرہ یہی تھا۔ غوری صاحب اپنے ساتھ اپنا ایک ۷۰ صفحات کا مقالہ لائے تھے جو کتاب استثناء کی اس مشہور پیشین گوئی کی تشریح پر مبنی تھا جس میں کوہ فاران سے دس ہزار قدسیوں کے جلوہ گر ہونے کی بات ذکر کی گئی ہے۔ غوری صاحب نے میری دل چسپی کو دیکھتے ہوئے ازراہ عنایت اس کی ایک نقل مجھے بھی دی اور کہا کہ یہ ابھی نامکمل اور غیر مطبوعہ ہے اور صرف مطالعے کے لیے تمھیں دے رہا ہوں۔ اسی موقع پر انھوں نے بتایا کہ انھوں نے یہودیت و مسیحیت کے مطالعہ و تحقیق سے متعلق نادر و نایاب کتب کا ذخیرہ اپنے پاس جمع کر رکھا ہے۔

اس موضوع کے حوالے سے میری شناسائی اس وقت تک زیادہ تر محمد اسلم رانا صاحب مرحوم سے تھی جو پہلے ''طب و صحت'' کے نام سے ایک رسالے میں یہودیت و مسیحیت سے متعلق اپنے نتائج تحقیق شائع کیا کرتے تھے۔ بعد میں انھوں نے ''المذاہب'' کے نام سے ایک مستقل رسالے کا ڈیکلریشن لے لیا جس کی اشاعت کا سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔ رانا صاحب کی تحریر تحقیقی حوالہ جات سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ کافی حد تک مناظرانہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسلوب میں لکھی ہوتی تھی۔ وہ وقتاً فوقتاً گوجرانوالہ آتے رہتے تھے اور کھوکھر کی گوجرانوالہ میں مسیحی دینیاتی تعلیم کے عالمی سطح کے ادارے ''فیتھ تھیولاجیکل سیمنری'' میں بھی مختلف حضرات سے ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔ یاد پڑتا ہے کہ گوجرانوالہ کے معروف مسیحی عالم ڈاکٹر پادری کے ایل ناصر اور ان کے جریدہ ''کلام حق'' سے مجھے رانا صاحب نے ہی متعارف کروایا تھا اور میں غالباً ۱۹۹۰ء میں ایک مرتبہ ڈاکٹر کے ایل ناصر سے ملاقات کے لیے ان کے دفتر بھی گیا تھا۔

بہرحال، غوری صاحب سے ملاقات کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس موضوع پر زیادہ اعلیٰ سطح تحقیقی کام کرنے والے حضرات بھی موجود ہیں۔ تاہم اس کے بعد ان کے ساتھ ربط ضبط یا استفادہ کا کوئی خاص موقع مجھے نہیں ملا تا آنکہ ۲۰۰۴ء میں، میں نے جناب جاوید احمد غامدی کے قائم کردہ ادارے ''المورد'' کے ساتھ بطور ریسرچ اسکالر وابستگی اختیار کر لی۔ غوری صاحب بھی اس وقت سینئر ریسرچ اسکالر کے طور پر ''المورد'' سے وابستہ تھے اور خاص اپنے موضوع کے دائرے میں تحقیقی کام میں مصروف تھے۔ مجھے ''المورد'' کی ہفتہ وار علمی نشستوں میں شرکت کے لیے ہفتے میں ایک دو دن جانا ہوتا تھا۔ چنانچہ اگلے پانچ چھ سالوں میں غوری صاحب سے میل ملاقات، نشستوں اور گفتگوؤں کے مواقع مسلسل ملتے رہے۔ ان کی نہایت قیمتی ذاتی لائبریری کا بھی کچھ حصہ ''المورد'' میں ان کے دفتر میں موجود تھا اور وقتاً فوقتاً اس کی کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھنے کا موقع بھی مجھے میسر آتا رہا۔

''المورد'' کے ساتھ غوری صاحب کی بطور محقق وابستگی کا ایک خوب صورت پہلو یہ تھا کہ وہ خود مسلکاً اہل حدیث تھے اور مولانا اصلاحی کے اسلوب تفسیر پر ان کی ناقدانہ تحریریں بھی بعض جرائد میں چھپ چکی تھیں، لیکن یہ چیز اہل ''المورد'' کے لیے ان کے علم و فضل کی قدر دانی میں مانع نہیں ہوئی۔ ان کا شمار ادارے کے سینئر محققین اور بزرگوں میں ہوتا تھا اور وہ کسی قسم کی انتظامی جواب دہی سے بالکل بالاتر ہو کر اپنی ذاتی صواب دید پر اپنے تحقیقی کاموں کی انجام دہی میں مشغول رہتے تھے۔ ''المورد'' میں نماز باجماعت کی امامت بھی عام طور پر غوری صاحب ہی کراتے تھے اور مجھے بے شمار نمازیں ان کی اقتدا میں ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

غوری صاحب قیام پاکستان کے موقع پر ریاست پٹیالہ کے کسی علاقے سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے۔ وہ تقسیم کے موقع پر ہونے والی قتل و غارت کے بعض چشم دید واقعات سنایا کرتے تھے اور اس موضوع کے حوالے سے خاصے حساس تھے۔ ۲۰۰۵ء میں بھارت سے ہمارے ایک دانش ور دوست یوگندر سکند پاکستان آئے تو میرے ایما پر ان کے ساتھ ''المورد'' میں بھی ایک نشست کا اہتمام کیا گیا۔ غوری صاحب بھی اس میں موجود تھے۔ لاہور میں یوگندر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سکند کی میزبان دیپ نامی ایک خاتون تھیں جو پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے ایک خاص نقطۂ نظر رکھتی تھیں۔ مذکورہ نشست میں انھوں نے غالباً تقسیم کے حوالے سے کوئی ایسی بات کہہ دی تو میں نے دیکھا کہ غوری صاحب خاصے جذباتی ہو گئے اور کافی سخت لہجے میں ان کی تردید کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ غالباً یہ واحد موقع تھا جب میں نے انھیں غصے کی حالت میں دیکھا۔ اس کے علاوہ عمومی طور پر وہ بڑے خوش گوار موڈ میں رہتے تھے۔

علمی و تحقیقی کتابوں کی تلاش اور پھر دوسرے اہل علم تک انھیں پہنچانا، غوری صاحب کا خاص ذوق تھا۔ اس مقصد کے لیے شہر کے کتب فروشوں، خاص طور پر پرانی کتابیں بیچنے والوں اور کتابوں کی عمدہ و معیاری فوٹو کاپی اور جلد بندی کرنے والے حضرات کے ساتھ ان کے خصوصی روابط تھے۔ الشریعہ اکادمی کی لائبریری کے لیے دائرۂ معارف امریکیہ (Encyclopedia Americana) کا ایک نسبتاً پرانا نسخہ غوری صاحب ہی کی عنایت سے نہایت ارزاں داموں مہیا ہوا۔ اس کے علاوہ بھی ان کی طرف سے فراہم کردہ متعدد علمی کتابوں کے مجلد عکسی نسخے میری ذاتی اور اکادمی کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ وہ کتاب کی عکسی نقل اور جلد بندی ایسے خوب صورت انداز میں کرواتے تھے کہ ایک نظر دیکھنے پر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا تھا کہ یہ اصل چھپی ہوئی کتاب ہے یا اس کی عکسی نقل۔

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

یہودیت و مسیحیت اور بائیبل کا تحقیقی مطالعہ، جیسا کہ عرض کیا گیا، ان کا خاص موضوع تھا اور وہ اس کے نہایت بلند پایہ متخصص کا درجہ رکھتے تھے۔ اس حوالے سے ان کے متعدد نتائج تحقیق مقالات اور کتابوں کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب استثناء کی پیشین گوئی پر ان کا پرانا مقالہ معلوم نہیں کہ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور کہیں شائع ہوا یا نہیں، لیکن وہ نامکمل حالت میں بھی خاصے کی چیز ہے۔ ''ذبیح کون ہے؟'' کے موضوع پر ہمارے دینی لٹریچر میں اب تک کی آخری چیز مولانا حمید الدین فراہی علیہ الرحمہ کا رسالہ سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید اور تورات کے داخلی شواہد کی حد تک یقیناً اب بھی ہے، تاہم غوری صاحب نے اس بحث میں یہودی تاریخی لٹریچر سے متعلق بعض نکات کی تحقیق کے ضمن میں نمایاں علمی اضافہ کیا ہے اور ان کی یہ تحقیق ''المورد'' کے زیر اہتمام اردو اور انگریزی، دونوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب زبور کے ایک پیراگراف پر مبنی ان کی تحقیقی کتاب بھی سامنے آ چکی ہے جس میں، غوری صاحب کی تحقیق کے مطابق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔ غوری صاحب اپنی شائع ہونے والی ہر نئی تصنیف بڑے اہتمام کے ساتھ مجھے عنایت فرماتے تھے اور یہ وعدہ بھی لیتے تھے کہ میں اس پر 'الشریعہ' میں تفصیلی تبصرہ کروں گا۔ افسوس ہے کہ ان کی طرف سے متعدد بار یاددہانی کے باوجود میں ان کی یہ فرمایش پوری نہیں کر سکا۔

۲۰۰۳ء/۲۰۰۴ء میں جب میں نے مسجد اقصیٰ کی تولیت کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا تو اس پر غوری صاحب کا ردعمل خلاف توقع تھا۔ یہودیت ومسیحیت کے مطالعے سے ان کے خصوصی شغف کے تناظر میں میرا گمان یہی تھا کہ وہ بھی اس مسئلے کو ''اسلامی غیرت'' کے زاویۂ نظر سے دیکھتے ہوں گے اور میرا نقطۂ نظر انھیں پسند نہیں آئے گا، لیکن مجھے حیرانی ہوئی جب ایک موقع پر انھوں نے میرے نقطۂ نظر سے اتفاق کیا اور کہا کہ مسلمانوں کو ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو میں رکاوٹ ڈالنے کے بجاے اس معاملے میں یہودیوں کی مدد کرنی چاہیے۔

غوری صاحب نے مطالعۂ یہودیت ومسیحیت کا یہ ذوق اپنی اگلی نسل کو بھی منتقل کیا ہے۔ ان کے فرزند برادرم ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری صاحب (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کو اپنے والد محترم سے اس موضوع پر براہ راست تربیت پانے کا موقع ملا ہے اور انھوں نے اپنا ایم فل اور ڈاکٹریٹ کا تحقیقی کام بھی انھی موضوعات سے متعلق ان کی زیرنگرانی مکمل کیا ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ اس روایت کو نہ صرف زندہ رکھیں گے، بلکہ اس میدان میں تحقیق ومطالعہ کی وسعتوں میں مزید اضافہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے مرحوم بزرگ کی دینی خدمات کا اعلیٰ سے اعلیٰ صلہ عطا فرمائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ان کے اخلاف کو ان کے کیے ہوئے علمی وتحقیقی کام کا فیض زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

''بائبل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت واضح اور غیرمبہم الفاظ میں متعدد پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ یہ بات قریباً نایاب ہے کہ مستقبل میں آنے والے کسی نبی کے متعلق نام لے کر پیشین گوئی کی گئی ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کتاب 'غزل الغزلات' میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان شدہ مندرجہ ذیل پیشین گوئی اس سلسلے کی غالباً واحد مثال ہے۔''

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں، عبدالستار غوری ۲)

ڈاکٹر شہزاد سلیم

توقیر کی صورت مجسم

۲۱/ اپریل کو عبدالستار غوری صاحب کو دل کا دورہ پڑا۔ برادر عزیز عظیم ایوب نے ہسپتال سے ٹیلی فون پر ان کی حالت بیان کی تو محسوس ہوا:

اے چارہ شناس کار بہ مرہم نیست
ایں صید بسینہ زخم کاری دارد

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اور پھر اگلے ہی دن ''المورد'' کے یہ سب سے سینئر ریسرچ فیلو تہجد کے وقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ خداوند تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور انھیں جنت میں سابقون کا درجہ عطا فرمائے۔ وہ ''المورد'' سے کم و بیش بیس سال وابستہ رہے اور تقریباً اسی (۸۰) سال اس دار فانی میں قیام پذیر رہے۔ ادارے کے ہر فرد کے ساتھ سے وہ پدرانہ شفقت سے پیش آتے اور ہر فرد ان کی ایک باپ ہی کی طرح عزت کرتا۔ اگر ہمارا معاشرہ اعلیٰ محققین کی قدر کرنے والا ہوتا تو یقیناً ان کی زندگی میں ان پر پھول نچھاور کرتا اور انھیں تمغوں سے نوازتا۔ تاہم، ان کے بعد ان کا نام ان کی گراں پایہ تصنیفات سے زندہ رہے گا۔ وفات سے چند روز پیش تر جب وہ ادارے میں تشریف لائے تو ایک کارکن سے کہنے لگے کہ یہ شاید ان کی آخری حاضری ہے۔ پیشین گوئیوں کو حل کرنے والے اس مرد حق کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

وہ صحف سماوی کے جلیل القدر محقق تھے اور انھوں نے اپنی زندگی کا بیش تر حصہ اس شعبہ کی خدمت میں صرف کیا۔ علم سے لگاؤ اور تلاش حق کا جذبہ ان میں حیرت انگیز تھا۔ بیماری اور بڑھاپے میں بھی ان کا اپنے کام میں انہماک قابل رشک تھا۔ ان کے پرزور مصافحے اور جان دار معانقے سے ہر شخص محظوظ ہوتا۔ ان کا قہقہہ کانوں میں رس گھولتا

اوران کا دبدبہ خوف کے بجاے محبت سے پھوٹتا معلوم ہوتا۔ان کی پیشانی اور چہرے پر نور اور معصومیت جلوہ فگن رہتے۔

غوری صاحب ایک بہت شفیق اور رحم دل انسان تھے۔کسی کی تکلیف اور مشکل ان کو بے چین کر دیتی اور وہ سرگرمی کے ساتھ اس کی مدد میں لگ جاتے۔اگر مدد ان کے بس سے باہر ہوتی تو اوروں کو توجہ دلاتے۔ان کی شخصیت کو شبلی کے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

اس کے اخلاق کھٹک جاتے ہیں دل میں ہر بار
وہ شکر ریز تبسم ، وہ متانت ، وہ وقار
وہ وفا کیشی احباب ، وہ مردانہ شعار
وہ دل آویزی خو ، وہ نگہ الفت بار

''المورد'' میں برسوں چائے کا وقفہ ان کے کمرے میں ہوتا جہاں ہر قسم کے سنجیدہ اور بعض اوقات غیر سنجیدہ مباحث زیر بحث آتے۔چنانچہ مذہب وفلسفہ، تاریخ وادب، سائنس وسیاست کے عقدے کھولنے کی ہر شخص کوشش کرتا۔جب کسی کو آنے میں تاخیر ہو جاتی تو غوری صاحب اسے یاد دہانی کا پیغام بھجواتے۔ادھر ہم سب صبح ہی سے چائے کے وقفہ کے انتظار میں رہتے۔ادارے میں نماز کی امامت بھی ان کے سپرد تھی۔قرآن پڑھنے کا ان کا ایک مخصوص انداز تھا جو سننے والے کے لہو کو گرما دیتا۔نماز سے قبل وبعد کے نوافل بہت اہتمام سے ادا کرتے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

علم وفضل سے آراستہ ہونے کے باوجود غوری صاحب میں علم کے معاملے میں عاجزی پائی جاتی تھی۔ایک مرتبہ ایک مجلس میں ایک بنیادی دینی مسئلہ زیر بحث تھا۔لوگ اپنی آرا دے رہے تھے، جب غوری صاحب سے ان کی راے مانگی گئی تو انھوں نے بہت سادگی سے کہا کہ ان کو اس مسئلہ پر غور کرنے کا موقع نہیں ملا۔لہٰذا اس بارے میں ان کی کوئی راے نہیں ہے۔انھیں کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ان کی ذاتی لائبریری میں بعض نایاب کتابیں موجود تھیں۔ان کی وہ کڑی نگرانی کرتے اور انھیں بہت عمدہ جلد سے مزین کرتے۔

ان کی دو کتابیں: ''Muhammad Foretold in The Bible by Name'' اور ''The Only Son Offered for Sacrifice: Isaac or Ismael'' اپنے موضوعات پر بے مثال اضافہ ہیں۔ان میں سے پہلی کتاب میں انھوں نے بائیبل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئیوں کو بے نقاب کیا ہے اور بالخصوص حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیشین گوئی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔دوسری کتاب میں انھوں نے امام حمید الدین

فراہی کی گراں قدر کتاب ''ذبیح کون ہے؟'' پر بہت سے قیمتی اضافے کیے ہیں۔ مولانا فراہی نے یہ کتاب یہود کے اس دعوے کی تردید میں لکھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس فرزند کو قربانی کے لیے پیش کیا، وہ اسحاق تھے۔ غوری صاحب نے اپنی کتاب میں یہود ہی کے لٹریچر سے اپنے موقف کے حق میں حوالوں کے انبار لگا دیے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کا اردو میں ترجمہ خود ان کے اور ان کے صاحب زادے ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری کے قلم سے ہو چکا ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ آپ نے بہت سے اہم مضامین لکھے اور بعض کتب کی ایڈیٹنگ بھی کی۔

غوری صاحب کی نگارشات میں جو چیز بہت نمایاں ہے، وہ ان کی غیر معمولی محنت ہے۔ ان کے استدلال سے تو بعض جگہوں پر اختلاف کیا جا سکتا ہے، مگر موضوع سے متعلق ان کی عرق ریزی سے کم ہی اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ وہ موضوع کے بارے میں تمام متعلقہ کتب اور حوالوں کی خوب چھان پھٹک کرتے اور بعض دفعہ کئی کئی دن ایک چھوٹے سے جزو پر صرف کر دیتے گویا زبان حال سے یہ کہتے:

صد نالۂ شب گیرے، صد صبح بلا خیزے
صد آہ شرر ریزے، یک شعر دلآویزے

جس چیز نے یقیناً غوری صاحب کا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہو گا اور جو ان کے لیے بہت قابل اطمینان ہو گی، وہ ان کے بیٹے ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری کی ان کے کام میں شرکت اور معاونت ہے۔ ڈاکٹر احسان سے ہم سب کو بہت توقعات وابستہ ہیں کہ وہ اپنے والد کے کام کو آگے بڑھائیں گے اور اس کے بعض حصوں کی تکمیل کریں گے۔ غوری صاحب ہر چند ماہ کے بعد دوستوں اور ادارے کے احباب کی دعوت کرتے رہتے۔ اپنے رفقا سے یہ ان کی شفقت اور محبت کا خاص انداز ہوتا۔ انھوں نے ''المورد'' کے بعض طلبا کو انگریزی زبان پڑھائی اور بہت جاں فشانی سے اس ذمہ داری کو سرانجام دیا۔ اسی طرح انھوں نے فارسی ادب کی بھی ''المورد'' میں تدریس کی۔ میں ان خوش قسمت افراد میں سے ہوں جنھوں نے ان سے سعدی کی ''گلستان'' کے بعض حصے پڑھے۔ فارسی زبان پر ان کو مکمل عبور حاصل تھا۔ غوری صاحب اپنے احباب کے لیے بہت پرخلوص انداز میں دعا گو رہتے۔ وہ مجھے اکثر ملتے تو کہتے کہ میں نے رات کی نماز میں تمھارے لیے بہت دعا کی ہے، بلکہ تمھاری بیوی اور بیٹے کی صحت و عافیت کے لیے بھی۔ یہ الفاظ سن کر مجھے روحانی خوشی ہوتی اور حیرانی بھی کہ اتنی مصروفیات کے باوجود انھوں نے یاد رکھا۔

آج ہم غوری صاحب کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ وہ ہم میں نہیں رہے۔ مگر علم و اخلاق کی متاع عزیز کو وہ اگلی نسل کے لیے چھوڑے جا رہے ہیں۔ وہ جن اقدار کے حامل تھے اور جن روایات کے امین تھے، ان کی شمع ان کے بعد

ہمیشہ جلتی رہے گی اور ان کے نام کو امر کر دے گی۔ وہ وادیِ عشق کے مسافر تھے اور انھوں نے بڑی شان سے اپنا سفر طے کیا:

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

''یہودیوں اور عیسائیوں کے مطابق وہ 'اکلوتے فرزند' جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ انھیں قربانی کے لیے پیش کیا جائے، حضرت اسحاق علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ بائبل نے اس واقعہ کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ بائبل کے پورے بیان میں 'اکلوتے بیٹے' کا نام 'اسحاق' علیہ السلام صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے جو غیر موزوں بھی ہے اور حقائق کے خلاف بھی۔ اس بیان میں ایسے صریح تضادات موجود ہیں جن کی بنا پر اس کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا موقف بالکل ناقابل اعتبار قرار پاتا ہے۔ دوسری طرف مسلم علما کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے جس فرزند کی قربانی پیش کرنے کا حکم دیا تھا، وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے مسلم علما حضرت اسحاق علیہ السلام پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی برتری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک تمام پیغمبر اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی حیثیت سے رتبے میں برابر ہیں۔''

(اکلوتا فرزند ذبیح اسحٰقؑ یا اسمٰعیلؑ، عبدالستار غوری ۷)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طالب محسن

عبدالستار غوری مرحوم

میرے حلقۂ تعلق میں بیش تر لوگ وہ ہیں جو معروف معنوں میں مذہبی لوگ ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ سب مخلص ہیں اور آخرت کی طلب میں زندگی گزارتے ہیں، لیکن غوری صاحب مرحوم کے اس جذبے میں کوئی ان کا ہم سر نہیں۔ وہ جس طرح موت کو یاد کرتے اور مغفرت کی طلب میں جس طرح آنسو بہاتے، وہ کیفیات میرے لیے ہمیشہ قابل رشک رہیں۔

غوری صاحب مرحوم عالم باعمل تھے۔ ان کے تمام علمی منصوبے جس مقصد اور محرک سے زیر تکمیل رہتے، وہ نصرت دین اور رضاے الٰہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے حوالے سے بائیبل کے بعض حصوں پر اعلیٰ درجے کا علمی کام کیا ہے، جسے علمی حلقوں نے سراہا اور یہ بات غوری صاحب کو بھی ایک اطمینان دیتی، لیکن ان کا اصل دھیان آخرت کی طرف تھا۔ انھوں نے کئی بار کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میری یہ محنت اور کوشش بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوگی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نظر ستایش سے نوازیں گے۔ اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے وہ اتنے جذباتی ہو جاتے کہ ان کی آنکھیں تر ہو جاتیں اور ان کی آواز رندھ جاتی۔

کئی مرتبہ ایسے ہوا کہ ہم نماز کے لیے اکٹھے ہوتے۔ سنن پڑھ کر جماعت کا انتظار کر رہے ہوتے۔ غوری صاحب یہ دیکھ کر کہ ابھی نماز کھڑی ہونے میں کچھ منٹ ہیں تو وہ دو رکعتیں اور پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ غوری صاحب کی اس طرح کی بہت سی باتیں ان کے اندر ایک خاص لگن کا پتا دیتی تھیں۔ أللّٰھم تقبل منه حسناته قبولاً حسنًا۔

غوری صاحب اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ استاد محترم غامدی صاحب کی فکر اور اہل حدیث فکر کے بعض پہلو اتنے مختلف ہیں کہ ایک دوسرے کے لیے قابل قبول نہیں ہیں۔ غوری صاحب کو اس بات کا، ظاہر ہے، پورا شعور تھا، لیکن انھوں نے اس اختلاف کو کبھی مخالفت یا جدل میں ڈھلنے نہیں دیا۔ اسے ایک علمی اختلاف سمجھا اور علمی

اختلاف ہی کی حیثیت سے اس پر بات کرتے تھے۔

غوری صاحب کے ساتھ ہم چائے پر اکٹھے ہوتے تو ان کی بزرگانہ باتیں، ان کی خوش گفتاری اور بسکٹوں اور نمکو سے تواضع مزے کو کئی گنا بڑھا دیتی۔ وہ ایک بزرگ اور ایک بڑے محقق ہونے کے باوجود ہمارے ساتھ بالکل بے تکلفی سے پیش آتے اور سادگی اور عاجزی کا نمونہ دکھائی دیتے۔ کوئی تکلف اور اپنی بڑھائی کا کوئی احساس کبھی دکھائی نہیں دیا۔

سچی بات یہ ہے کہ اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ جس طرح کے کرداروں کو سامنے لاتا ہے، غوری صاحب کی شخصیت میں وہی رنگ، وہی خوبیاں اور خدا اور مخلوق کے ساتھ وہی رنگ تعلق نظر آتا تھا۔ ان کے کردار کی خوبیاں ان کے جنتی ہونے کی نوید تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ شہدا کی طرح اپنے رب کے پاس نعمتوں کی زندگی جی رہے ہیں۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

’’بائبل میں درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا ’اکلوتا بیٹا‘ سوختنی قربانی کے طور پر پیش کرنے کے لیے کہا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ’اکلوتا بیٹا‘ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کو کہا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ صرف اسماعیل علیہ السلام ہی تھے جو چودہ سال تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے فرزند رہے۔ جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی بھی فرزند کے متعلق ’اکلوتا بیٹا‘ کے الفاظ استعمال نہیں کیے جا سکتے تھے، کیونکہ اب ان کے صرف ایک نہیں، بلکہ دو بیٹے تھے۔ یہودی عُلما نے خیال کیا کہ اللہ کے حضور قربانی کے لیے پیش کیا جانا ایک بہت بڑا اعزاز ہے، اس لیے ان کو یہ بات پسند نہ آئی کہ قربانی کا یہ واقعہ اصلی اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منسوب ہو، کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے حقیقی مُورِثِ اعلیٰ نہ تھے۔ ان کے مُورِثِ اعلیٰ تو حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، اس لیے انھوں نے قربانی کے اس واقعہ کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی۔‘‘

(اکلوتا فرزند ذبیح اسحٰقؑ یا اسمٰعیلؑ، عبدالستار غوری ۱۱)

ریحان احمد یوسفی

مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

انسانی زندگی کی بے ثباتی اِس عالم فانی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اس برہنہ حقیقت کو صاحبان کلام جب شعروادب کے پیراہن سے آراستہ کرکے بیان کرتے ہیں تو بلبلے اور حباب کی تشبیہ سے زیادہ موثر کوئی اور چیز محسوس نہیں ہوتی۔ علم وادب کی دنیا کا وہ کون سا باسی ہے جو شاعر مشرق کے اس شعر سے واقف نہ ہوگا:

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

مگر پچھلے برس بے ثباتی حیات کے لیے ایک نئی تمثیل سنی۔ یہ تمثیل اس قطرۂ شبنم کی زندگی سے مستعار لی گئی تھی جو گھاس (گیاہ) کی نوک پر گرتا اور لمحہ بھر سے بھی کم میں اپنا وجود کھو دیتا ہے:

ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

یہ شعر پچھلے برس اسی اپریل کے مہینے میں محترم بزرگ عبدالستار غوری کی زبانی سنا تھا جنھیں اس برس کا اپریل زیاں خانۂ حیات سے نکال کر اس عالم ابدی میں لے گیا جو ہر نقص وزیاں کے شائبے سے پاک ہے۔

آج اگر مسلمانوں میں دعوتی مزاج زندہ ہوتا تو ان کی وفات پر کہرام مچ جاتا، کیونکہ جس شعبے میں انھوں نے تحقیقی کام کیا تھا، وہ یہود ونصاریٰ پر قدیم صحف سماوی کی روشنی میں یہ ثابت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں آج بھی واضح طور پر ان کتابوں میں موجود ہیں۔ نیز یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ذریت کا رشتہ ان صحف سماویہ کی روشنی میں کس طرح حرم پاک سے پوری طرح ثابت ہے۔ تاہم، بدقسمتی سے مسلمانوں کو نہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دعوت سے بہت زیادہ دل چسپی ہے، نہ کسی ایسے کام سے جو دور جدید کے مسلمہ تحقیقی معیارات کے مطابق اسلام کی حقانیت غیر مسلموں پر ثابت کر سکے۔ چنانچہ غوری صاحب کا کام وہ توجہ حاصل نہیں کر سکا جس کا وہ درحقیقت مستحق تھا۔

غوری صاحب کا کام امام فراہی کے اس کام ہی کا تسلسل تھا جو انھوں نے اپنی کتاب ''الرای الصحیح فی من هو الذبیح ''اور بعض دیگر تصنیفات میں شروع کیا تھا۔ دیگر کئی اہم کاموں کے علاوہ غوری صاحب کا ایک اہم اور نمایاں کام امام فراہی کی اسی کتاب کو دور جدید کے مسلمہ تحقیقی معیارات کے مطابق ڈھال کر پیش کرنا تھا جو ان کی کتاب ''The Only Son Offered for Sacrifice: Isaac or Ismael'' کی شکل میں سامنے آئی جس کا ترجمہ ''اکلوتا فرزند ذبیح اسحاقؑ یا اسماعیلؑ'' کے نام سے ہوا۔ اس کتاب میں انھوں نے اصل معاملے کو زیر بحث لاتے ہوئے بہت سے گراں قدر تحقیقی اضافے بھی کیے۔

غوری صاحب سے میرا ذاتی تعلق ان کے ایک ایسے ہی تحقیقی کام کی بنا پر ہوا۔ اسی کتاب میں ایک ضمنی بحث میں انھوں نے یہ ثابت کیا تھا کہ زبور کے ایک مزمور میں حضرت داؤد علیہ السلام اپنی ان یادوں کو تازہ کرتے ہیں جن کا تعلق ان کے سفر حج سے تھا۔ وہ اس مزمور کی روشنی میں یہ بتاتے ہیں کہ حضرت داؤد بادشاہ بننے کے بعد بھی جس ''بکہ'' کو یاد کر رہے تھے اور ایک بادشاہ کے بجاے اس گھر کا دربان بننے کی خواہش رکھتے تھے، وہ مکہ مکرمہ ہی تھا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق و رہنمائی سے پچھلے دنوں میں نے زبور کے ایک اور مزمور کی روشنی میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ مزمور اسی سفر حج عین خانہ کعبہ کے سامنے پڑھا گیا ہے جس وقت سیدنا داؤد حج کرنے مکہ آئے تھے۔ عین اسی وقت آپ نے ''کونے کے پتھر'' والی اپنی مشہور پیش گوئی کی جس میں آپ نے عین حرم پاک کے سامنے کھڑے ہو کر نہ صرف نبی آخر الزماں علیہ السلام کے آنے کی پیش گوئی کی، بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ اس وقت آپ کی قوم بنی اسماعیل کو بھی امامت عالم کے منصب پر فائز کر دیا جائے گا۔ اس پیش گوئی کی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بعد میں اسے انجیل میں دہرا کر یہود پر یہ واضح کر دیا کہ ان کے جرائم کی بنا پر انھیں منصب امامت سے فارغ کیا جا رہا ہے اور ایک دوسری قوم کو اس منصب پر فائز کیا جائے گا۔

میں نے اپنے اس نقطۂ نظر کو تحریر کرنے کے بعد ان کی وفات سے کچھ ہی دن قبل ان سے فون پر رابطہ کیا اور پھر ای میل پر انھیں یہ تحریر بھیجی۔ تحریر طویل تھی، اس لیے کچھ ابتدائی تبصروں کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہ اس قابل نہیں کہ پوری تحریر پڑھ سکیں، اس لیے میں خاص اسی حصے کی نشان دہی کروں جس پر میں ان کا تبصرہ چاہتا ہوں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بدقسمتی سے وقت نے اس کا موقع نہیں دیا اور وہ داعی اجل کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

میرے لیے پھر بھی یہ احساس بہت غنیمت ہے کہ میں آخری وقت میں کسی نہ کسی درجے میں ذاتی طور پر ان سے استفادہ کرتا رہا۔ پچھلے برس جب برادر عزیز ندیم اعظم اور عزیزم حسن کے ساتھ لاہور گیا تو اتفاقی طور پر ان سے ملاقات ہو گئی۔ انھیں اپنے گھر جانا تھا اور اسی لیے وہ ہماری گاڑی میں بیٹھے تھے، مگر ہم زبردستی انھیں اپنے ساتھ کھانے پر لے گئے اور پھر سہ پہر تک ہم ان سے استفادہ کرتے رہے۔ ندیم اعظم صاحب نے ان کی گفتگو کا ایک حصہ ریکارڈ کر لیا تھا۔ اسی میں خاص طور پر وہ شعر بھی تھا جس کا تذکرہ شروع میں ہوا۔

وہ شعر کی زبان میں اپنے بارے میں ہمیں متنبہ کر رہے تھے کہ اس قطرۂ شبنم سے استفادہ کر لو۔ ہمیں بھی خبر نہ تھی کہ اگلی دفعہ ملنے کی نوبت نہ آئے گی۔ اب تو بس ان کا وہی علم بچا ہے جس کی روایت کو آگے بڑھانا ہماری ذمہ داری ہے۔ یا پھر کچھ یادیں جو ہمیں تلقین کر رہی ہیں کہ ابھی کچھ اور لوگ باقی ہیں جو مانند قطرۂ شبنم روشن ہیں اور ان سے استفادہ ابھی ممکن ہے۔

ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

''بائبل میں متعدد انبیا نے اپنے بعد آنے والے واقعات اور انبیاے کرام کے متعلق پیشین گوئیاں بیان کی ہیں۔ قرآنِ کریم میں یہ بات زور دے کر کہی گئی ہے کہ بائبل کی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اتنی واضح پیشین گوئیاں درج ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی معقول انسان مشکل محسوس نہیں کرتا، بلکہ وہ آپ کو اس طرح پہچان سکتا ہے جیسے وہ اپنے بیٹے بیٹیوں کو پہچانتا ہے۔''

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں، عبدالستار غوری ۱)

سید منظور الحسن

وہ نکہتیں نہیں باقی تو لو ہوا ہوئے ہم

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا، نہ رہا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جناب عبدالستار غوری اب ہم میں نہیں رہے۔ اُن کے جانے سے بائیبل پر علمی کام کا ایک درخشاں باب بند ہو گیا۔ اِس مجموعۂ صحائف پر اُنھوں نے روایتی اسلوب تحقیق سے مختلف انداز اختیار کیا۔ تحریف و تناقض کو تلاش کرنے کے بجاے وہ مقامات دریافت کیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مؤید اور مصدق ہو سکتے تھے۔ غوری صاحب نے عملی زندگی کی ابتدا تو تعلیم و تدریس سے کی اور کچھ وقت نصابی کتب کی تدوین میں بھی لگایا، مگر جلد ہی صحف سماوی پر تحقیقی کام کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اِس میدان میں اُنھوں نے ایک منفرد راہ منتخب کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی تلاش کی راہ۔ یہ راہ ملتے ہی اُنھیں گویا منزل مل گئی۔ اُنھوں نے اِسے خوش نصیبی تصور کیا اور فکر و عمل اور قلب و نظر کے تمام اسباب کو اِس کی جستجو میں صرف کرنے کا فیصلہ کر لیا:

عالم بھی تھا نگاہ میں، لیکن زہے نصیب
اب اُن کی نذر کر دیا ذوقِ نظر تمام

برسوں کی محنت کے بعد بالآخر ''Muhammad Foretold in The Bible by Name'' تصنیف کی اور یہ تحقیق پیش کی کہ ''کتابِ مقدس'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آپ کے اسمِ مبارک کی تصریح کے ساتھ مذکور ہے۔ ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں'' کے زیرعنوان ایک اور کتاب بھی تحریر کی جس میں اسی مقدمے کو بعض دوسرے پہلوؤں سے نمایاں کیا۔ نصف صدی پر محیط اُن کی محنت، بلا شبہ لائق تعریف

تھی۔ چنانچہ علمی حلقوں میں ان کے کام کی قدر افزائی بھی ہوئی اور ان کی محنت کو سراہا بھی گیا، مگر انھوں نے ہمیشہ بے نیازی کا اظہار کیا اور اپنے مداحوں کو یہی پیغام دیا کہ:

کس لیے چاہوں؟ یہ دنیا کی ستایش کیا ہے!
منتظر ہوں تو فقط اُن کی پذیرائی کا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مساعی کو قبول فرمائے اور اِن مخلصانہ کاوشوں کو اُن کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

غوری صاحب ۱۹۹۶ء میں ادارۂ علم و تحقیق ''المورد'' سے منسلک ہوئے۔ وہ مسلکاً اہل حدیث تھے۔ ان کے افکار ادارے کے افکار سے بہت مختلف تھے۔ اس کے باوجود ادارے نے اُنھیں پورے اعزاز کے ساتھ وابستگی کی دعوت دی اور اُنھوں نے اسے بسر و چشم قبول کیا۔ ایسی فضا میں جہاں فکری اختلاف نفرت، تکفیر اور قتل و غارت سے عبارت ہو، وہاں یہ واقعہ کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ ''المورد'' سے ان کی رفاقت کا سفر تقریباً بیس برس تک جاری رہ کر موت کی منزل پر مکمل ہوا۔ اس سفر کو خوش گوار اور نتیجہ خیز بنانے میں استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے شخصی رویے کو بھی بہت دخل تھا۔ وہ اس وقت ادارے کے صدر، فیلو اور استاد تھے۔ غوری صاحب کے لیے اُن کا احترام غیر معمولی تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اُن کے ادب میں کھڑے ہو جاتے، اُنھیں نشست پیش کرتے، اُن کے پاس جا کر ملتے، اُن کے لیکچروں میں سامع کے طور پر شریک ہوتے اور اپنے شاگردوں اور احباب کو اُن کے اکرام کی تلقین کرتے۔ یہ طرزِ عمل استاذ گرامی تک محدود نہیں تھا، باقی لوگ بھی غوری صاحب کا ایسے ہی احترام کرتے تھے۔ اُن میں عمروں کا فرق بھی تھا اور مرتبوں اور منصبوں کا بھی، مگر غوری صاحب کی محبت میں سبھی یکساں گرفتار تھے۔ یعنی معاملہ وہی تھا کہ:

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اِس احترام اور محبت کا صرف ایک سبب تھا اور وہ تھا غوری صاحب کا اخلاص۔ کسی شخص کے خلوص کا کمال اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ اُس کے گرد و پیش کے لوگ اُسے باپ کے درجے پر سمجھنے لگیں۔ ''المورد'' کے اکثر لوگوں کے لیے غوری صاحب کا یہی مقام تھا۔ اگر جیب خالی ہے، راشن ختم ہو گیا ہے، کتابیں لینی ہیں، فیس جمع کرانی ہے، دوا کی ضرورت ہے تو وہ بلا جھجک اُن کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ حسن طلب کا سلسلہ یہیں پر نہیں رکتا تھا، اِس آگے بڑھ کر وہ نجی، نفسیاتی اور خانگی مسائل میں بھی اُن سے مشورہ کرتے تھے۔ غوری صاحب اُن کی مدد بھی کرتے تھے اور اُنھیں

رہنمائی بھی دیتے تھے، مگر اِس کے ساتھ اُن کی یہ بھی کوشش ہوتی تھی کہ رجوع کرنے والے کا رخ اللہ اور آخرت کی طرف مڑ جائے۔ اِس مقصد کے لیے وہ وعظ کہنے کے بجاے دعا کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔ خود بھی ہاتھ اٹھا لیتے تھے اور آنے والے کو بھی یہی نصیحت کرتے تھے۔ اہل ''المورد'' کے اس رجوعِ عام نے اُن کے حجرے کو ایک بیٹھک، ایک گھر، ایک مکتب اور ایک خانقاہ بنا دیا تھا جس میں ایک غم گسار دوست، ایک شفیق استاد، ایک مہربان باپ اور ایک خدا رسیدہ بزرگ ہر وقت اُن کا منتظر نظر آتا تھا۔ ہر آنے والے کے لیے اُس کے خریطے سے بس یہی ایک نسخہ نکلتا تھا کہ:

نہ سنو ، گر برا کہے کوئی
نہ کہو، گر برا کرے کوئی
روک لو ، گر غلط چلے کوئی
بخش دو ، گر خطا کرے کوئی

اس نسخۂ کیمیا پر سب سے بڑھ کر وہ خود عامل تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب کی بے تدبیری اور کج ادائی سے اُنھیں یہ تاثر ہو گیا کہ میں نے اُن کے وقار کو مجروح کیا ہے۔ اُنھوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا۔ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، نہ سوال کیا، نہ جرح کی۔ بس اتنا کہا کہ میں تو تمھیں اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ میں نے پاؤں کو چھوا اور ہاتھ جوڑ کر اپنی وضاحت پیش کی۔ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر بولے کہ جس نے بھی زیادتی کی ہے، میں نے اُسے معاف کیا۔ پھر گلے لگا کر ایسے رخصت کیا جیسے کہہ رہے ہوں کہ:

یونہی آنکھوں میں آ گئے آنسو
جایئے آپ ، کوئی بات نہیں!

دوبارہ ملے تو یوں لگا کہ جیسے واقعی کوئی بات نہیں تھی۔ چنانچہ اس واقعے کے کچھ دن بعد جب میں نے یہ درخواست کی کہ اپنے عزیز دوست اور عربی زبان کے جلیل القدر استاذ پروفیسر خورشید عالم صاحب سے عربی پڑھانے کی سفارش کر دیجیے تو اُنھوں نے نہ صرف سفارش کی، بلکہ پرزور اصرار بھی کیا۔ استاذِ مکرم نے کمالِ محبت سے اُن کی سفارش قبول کی اور پوری شفقت اور دل نوازی کے ساتھ اپنی شاگردی سے سرفراز کیا۔

جن لوگوں نے غوری صاحب کو آخری زمانے میں دیکھا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ جب استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی ملک سے باہر چلے گئے اور باقی رفقا بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تو غوری صاحب بہت اداس رہنے لگے تھے۔ اب ''المورد'' اُنھیں ایک ویرانہ دکھائی دیتا تھا۔ آنا جانا بہت کم کر دیا تھا، مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی

کبھی اس خرابے میں آ جایا کرتے تھے۔ جب بھی آتے تو اُن جگہوں کو ڈھونڈ نے لگتے جہاں دوستوں کے ہمراہ وقتاً فو قتاً بیٹھا کرتے تھے اور پھر اُس مقام کو بھی تلاش کرتے جہاں شب و روز قیام رہتا تھا۔ اِس کیفیت میں اکثر یادوں کا سیلاب امڈ آتا جو اِس دیار کے مٹے ہوئے آثار کو نمایاں کر دیتا۔ بہت بے چین ہو جاتے اور عالمِ وارفتگی میں اِن آثار سے پوچھنے لگ جاتے کہ:

و ہ جو لوگ اہلِ کمال تھے، وہ کہاں گئے؟
وہ جو آپ اپنی مثال تھے، وہ کہاں گئے؟
مرے دل میں رہ گئی صرف حیرتِ آئینہ
وہ جو نقش تھے، خد و خال تھے، وہ کہاں گئے؟
سرِ جاں یہ کیوں فقط ایک شام ٹھہر گئی؟
شب و روز تھے، مہ و سال تھے، وہ کہاں گئے؟

جب کچھ جواب نہ ملتا تو رخ پھیر کر کہتے کہ اِن اینٹ پتھروں سے میں کیا بات کروں، میں تو ان کی زبان ہی نہیں سمجھتا!

عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا فَمُقَامُهَا　　بِمِنًى تَأَبَّدَ غَوْلُهَا فَرِجَامُهَا
وَجَلَا السُّيُولُ عَنِ الطُّلُولِ كَأَنَّهَا　　زُبُرٌ تُجِدُّ مُتُونَهَا أَقْلَامُهَا
فَوَقَفْتُ أَسْأَلُهَا وَكَيْفَ سُؤَالُنَا　　صُمًّا خَوَالِدَ مَا يَبِينُ كَلَامُهَا

”مقام منیٰ کے دیار، جہاں چند روزہ قیام رہا اور جہاں طویل قیام رہا، سب مٹ مٹا گئے اور کوہِ ’غول‘ اور کوہِ ’رجام‘ کے ڈیرے اجاڑ ہو گئے۔ اور پانی کے دھاروں نے گھروں کے بچے کھچے نشانات کو یوں نکھار دیا ہے، گویا وہ کتابیں ہیں جن کی عبارتوں کو قلم ازسرِ نو روشن کر رہے ہیں۔ سو میں کھڑا ہو کر ان آثار سے سوال کرنے لگا، مگر بھلا ان ٹھوس اٹل چٹانوں سے ہماری پوچھ گچھ کیا معنی رکھتی ہے جن کا کلام سمجھ میں نہیں آ سکتا۔“

”المورد“ کے چمن زار کی خوشبوؤں کی طلب غوری صاحب کو بہت دور سے کھینچ کے لائی تھی۔ جب یہ خوشبوئیں باقی نہیں رہیں تو وہ کچھ دیر تو ان کو ڈھونڈتے رہے اور جب نہ ملیں تو یہ کہہ کر ہوا ہو گئے کہ:

چمن میں کھینچ کے لائی تھی جستجو جن کی
وہ نکہتیں نہیں باقی تو لو ہوا ہوئے ہم!

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

عبدالستار غوری

عبدالستار غوری ۱۹۹۶ء میں ''المورد'' آئے۔ میں اس وقت جامعہ عثمانیہ ماڈل ٹاؤن میں دورۂ حدیث میں شریک تھا۔ اگلے دو برس میں نے اپنے فارغ اوقات اسی جامعہ میں مختلف کتب کی ورق گردانی کرتے گزار دیے تا آنکہ ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب مجھے ''المورد'' میں کھینچ لائے۔ ''المورد'' کی لائبریری کے ہال میں ایک کرسی میز مجھے مل گئی۔ میں صبح ساڑھے سات بجے ''المورد'' جاتا، اپنی نشست پر بیٹھتا اور نو بجے لوٹ آتا۔ ان اوقات میں عبدالستار غوری ''المورد'' میں ہوتے نہ ان سے ملاقات کا سوال پیدا ہوتا۔ جب ماہنامہ ''اشراق'' میں میرے مضامین باقاعدگی سے چھپنا شروع ہوئے تو یہ ڈیڑھ گھنٹا مجھے کم پڑ گیا۔ تب میں نے دوپہر کے ایک گھنٹے کا اضافہ کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب غوری صاحب سے میرا تعارف ہوا۔ مجھے معلوم ہوا کہ 'تقابل ادیان' اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئیاں ان کا خاص موضوع ہیں۔ ایک وجہ تعارف اور بھی تھی کہ غوری صاحب وقتاً فوقتاً، بہانے بہانے سے احباب ''المورد'' کی دعوت کرتے رہتے تھے۔ یہ دعوتیں کھانے کے باوجود میں عبدالستار غوری کے زیادہ قریب نہ ہو سکا، کیونکہ میری نام نہاد مصروفیات اس میں رکاوٹ تھیں۔ وقت کی کمی اور مزاج کی کوتاہی کی بنا پر میں دوستوں سے کم ہی ہم نشین ہوتا، ''المورد'' میں کچھ کام، کچھ آرام کر کے چلا جاتا۔ غوری صاحب کا کمرہ اوپر کی منزل میں تھا، اس لیے بھی ملاقات کا موقع نہ ملتا۔ ۲۰۰۸ء میں ''المورد'' میں کچھ انتظامی تبدیلیاں ہوئیں اور اسکالرز کو گھروں میں رہ کر کام کرنے کی ہدایت ہوئی تو غوری صاحب کا بھی ''المورد'' میں آنا کم ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ان کا کمرہ خالی ہوا، لیکن انھوں نے ہفتے میں تین چار دن ''المورد'' میں گزارنے کا معمول اختیار کر لیا۔ اس روٹین میں اس وقت شدت آ گئی جب انھوں نے اپنی کتاب ''Muhammad Foretold in The Bible by Name''

کے اردو ترجمہ کی تدوین کرنا شروع کی۔ ان دنوں وہ صبح ساڑھے سات بجے سے شام چھ بجے تک ''المورد'' میں موجود رہتے۔ بسا اوقات ہفتہ وار چھٹی کا دن بھی یہیں گزارتے۔ ان کا قیام لائبریری ہال میں ہوتا جہاں میں بھی صبح و دوپہر دو وقت آتا۔ یہی ایام تھے جب میرا ان سے اختلاط بڑھا۔ سوے طبع کی وجہ سے میں تب بھی غوری صاحب سے زیادہ استفادہ نہ کر سکا، میری حیثیت ایک مشاہد اور مبصر ہی کی رہی۔ اسی دور کے چند تاثرات قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

عبدالستار غوری بڑے جفاکش اور محنتی تھے۔ عمر کے آخری حصے میں، میں نے انھیں دیکھا کہ لگاتار کام کیے جا رہے ہیں۔ ذرا تکان ہوئی تو چند لمحے لیٹ لیے اور پھر لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھ گئے۔

غوری صاحب کی تمام ملازمت ہائی اسکول اور محکمۂ تعلیم کی تھی۔ وہ اگست ۱۹۹۵ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول گڑھی افغاناں، ٹیکسلا سے سینئر ہیڈ ماسٹر کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ عام طور پر اسکول ٹیچرز کا مطالعہ اتنا وسیع ہوتا ہے، نہ وہ اتنی گہری علمی نظر کے حامل ہوتے ہیں جو ہمیں غوری صاحب میں دیکھنے کو ملی۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ دین سے شغف رکھنے کے ساتھ ان تھک محنت کے عادی تھے۔ بی ایڈ کرنے کے علاوہ انھوں نے ۱۹۶۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے، علوم اسلامیہ کی ڈگری حاصل کی۔ وہ 'فاضل اردو' اور 'فاضل فارسی' ہونے کے ساتھ عربی زبان کے بھی اچھے عالم تھے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے منعقدہ کورس 'اللسان العربی' میں پاکستان بھر میں اول آئے اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔

عربی زبان پر غوری صاحب کی دسترس اساتذہ سے کہیں بڑھی ہوئی تھی۔ ایک دو بار میں نے عربیت کے الجھے ہوئے مسائل ان کے سامنے پیش کیے تو انھوں نے تسلی بخش جواب دیا۔ اس طرح انگریزی زبان پر بھی غوری صاحب کو کامل عبور حاصل تھا۔ ان کی انگریزی تحریریں اس پر شاہد ہیں۔

سینئر اساتذہ کا پیپر سیٹر اور ہیڈ ایگزامینر ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ غوری صاحب 'نیشنل کمیٹی برائے نصاب سازی' کے سرگرم رکن رہے جس نے پہلی سے بارھویں جماعت تک کا اسلامیات، عربی اور ترجمۂ قرآن کا نصاب تیار کیا۔ انھوں نے حکومت آزاد کشمیر کے لیے 'اسوۂ حسنہ' کا نصاب بھی ترتیب دیا۔

عبدالستار غوری مسلسل آٹھ برس 'ریڈیو پاکستان' پر ہفتے میں دو بار درس حدیث دیتے رہے۔ واہ کینٹ اور اسلام آباد میں کئی سال تک خطبۂ جمعہ دیا، اسلام آباد میں درس قرآن کا آغاز کیا۔

عبدالستار غوری ''المورد'' کے کارکنوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ میں نے انھیں کئی دفعہ رفقا کی مالی مدد کرتے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دیکھا۔ایک بار خود مجھے ادھار اٹھانے کی ضرورت پڑی تو انھی سے رجوع کیا۔

غوری صاحب ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جاتے ۔ان سے ہنسی مزاح، دل لگی کرتے ۔اس وقت یہ محسوس نہ ہوتا کہ ان میں اور ''المورد'' کے کارکنوں میں عمر اور علم کا تفاوت ہے۔

بڑھاپے اور ذیابیطس کی وجہ سے غوری صاحب کے لیے اٹھنا دوبھر ہوتا تو نعرہ لگاتے: اٹھ،شیر خدا! میں نے اسے بھی سامان دل لگی بنالیا تھا۔کبھی کہتا: شیر خدا بوڑھا ہوگیا ہے،شیر خدا تھک گیا ہے۔جب کچھ دن نہ آتے تو کہتا: شیر خدا کو بہت دنوں بعد دیکھا ہے۔یہ بھی کہتا: کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔واحسرتا! کہ شیر خدا ٹیکسلا میں آسودۂ خاک ہوگیا ہے۔اب یہ نعرہ میں کبھی نہ سن پاؤں گا،البتہ طوفان زندگی کے تھپیڑے کھانے کے لیے جب تک موجود ہوں، یہ میرے کانوں میں گونجتا رہے گا۔

''المورد'' کے لائبریرین جاوید اشرف صاحب کی روایت ہے،امسال جنوری میں عبدالستار غوری صاحب ''المورد'' آئے تو کہا:اب کے برس میں سو جاؤں گا۔شاید انھیں اپنا رخصت ہونا معلوم ہوگیا تھا۔

أللّٰھم زد فی حسناته و نق خطایاه بالثلج و البرد۔

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

''...موریاہ (یا المروہ)، مورہ اور ممرے تین الگ الگ الفاظ ہیں۔موریاہ (یا المروہ) کی یہ حیثیت کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے اپنے 'اکلوتے بیٹے' کی قربانی کا مقام ہے، یہودی، مسیحی اور مسلم روایت میں مُسلَّم متفق علیہ ہے۔البتہ یہ کہ اس کا محل وقوع کیا ہے،ایک مختلف فیہ بات ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ مقام مکے کا المروہ ہے اور یہود و نصاریٰ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں۔ اگرچہ کتاب تواریخ کے مصنف کے نزدیک یہ یروشلم میں وہ جگہ ہے جہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کیا گیا تھا،لیکن یہ بیان بوجوہ درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔مورہ کا تعلق کوہِ جریزیم سے ہے اور ممرے مکفیلہ اور حبرون کے علاقے میں واقع ہے،یعنی مورہ یروشلم کے شمال میں واقع ہے اور ممرے اس کے جنوب میں۔'' (اکلوتا فرزند ذبیح اسحٰقؑ یا اسمٰعیلؑ،عبدالستار غوری ۷۶)

ساجد حمید

عبدالستار غوری مرحوم

عبدالستار غوری واقعی عبدالستار تھے۔ان کی عبادت، ریاضت اور للّٰہیت ماشاءاللہ قابل رشک تھی۔طویل القیام نمازیں،تہجد اور نوافل کا اہتمام کرنے میں وہ ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔معاملات میں کھرے اور اخلاق میں نہایت درجے پر فائز تھے۔ملنساری،انکسار،حسن سلوک،لوگوں کی مدد،دوسروں کا خیال رکھنا،ان کے نمایاں خصائص تھے۔

نہایت محنتی تھے۔لگن سے تحقیق کرنے والے تھے۔سارا سارا دن کام میں لگے رہتے۔'هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ' کی منہ بولتی تصویر تھے۔انھوں نے ساری زندگی اپنے نام کے ساتھ علامہ یا مولانا جیسے سابقے اور لاحقے نہیں لگائے۔عبدالستار کے نام کے ساتھ دنیا میں آئے اور اسی نام کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔اللہ کرے کل قیامت کو ان کی عبدالستاری قبول ہو۔

میں ان کی سادگی اور انکساری کو ہمیشہ سراہتا رہا ہوں۔وہ عامی کے لبادہ میں عارف و دانا تھے۔نہایت صابر و شاکر آدمی تھے۔اس کے باوجود کہ نہایت حساس طبیعت پائی تھی۔میرے سامنے ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا،ایک طرف وہ نہایت راضی بہ رضا تھے تو دوسری طرف غم باوجود ضبط کے ان کے انگ انگ سے نمایاں تھا۔وہ اہلیہ کی وفات پر فی الواقع رنجیدہ خاطر تھے۔یوں ایک ہی وقت میں دونوں کیفیتیں ان میں جمع تھیں،خدا کی رضا جوئی اور بیوی کی وفات کا رنج۔کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

میں نے پوچھا کہ زندگی کیا ہے!
ہنس دیے پھول ، رو پڑی شبنم!

ان دنوں ان کی یہی حالت تھی جیسے پھول اور شبنم صبح دم یکجا ہو گئے ہوں۔

مجھے نہیں معلوم غوری صاحب کہاں پیدا ہوئے، زندگی کے کن نشیب و فراز سے گزرے۔ میری ان کی شناسائی ان کی ''المورد'' آمد پر ہوئی اور دنیا سے جانے تک رہی۔ اسی عرصہ میں ان سے دوستی ہوئی، جو رفتہ رفتہ گہری ہو گئی اور پھر مرنے تک قائم رہی۔ مجھ سے انھیں ایک خاص انس تھا۔ ہمیشہ شفقت سے پیش آتے۔ میرے وقت و بے وقت آنے پر بھی ہمیشہ مسکراہٹ سے استقبال کرتے۔ شاید سب کے ساتھ ہی ان کا یہ معاملہ رہا ہو۔ میرے مذاقوں پر ہنستے اور داد دیتے تھے۔ ''المورد'' میں باہر پچھلے صحن میں لیموں کا پودا تھا، جس پر اکثر لیموں لگے رہتے تھے۔ سب المورد ی گیارہ بجے چائے کے وقفے میں چائے پیتے تھے۔ چند ماہ کے لیے یہ چائے کا دور غوری صاحب کے کمرے میں چلنے لگا۔ غوری صاحب کے پاس قہوہ بھی ہوتا تھا، جس میں وہ ''المورد'' میں لگے لیموں نچوڑ کر اس کے ذائقے کو دو آتشہ کر لیتے تھے۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ یہ لیموں ''المورد'' میں باہر پچھلے صحن میں لگے ہوئے تھے، پنجابی میں باہر کی چیز کو بارلی چیز کہا جائے گا، بارلی مونث ہے اور بارلے اس کا مذکر ہوگا۔ مثلاً بارلے لیموں، یعنی وہ لیموں جو باہر لگے ہیں۔ ایک دن جب قہوہ زیب مائدہ ہوا تو کٹے ہوئے لیموں ٹرے میں نہیں تھے۔ میں نے پوچھا کہ آج لیمن بارلے نہیں ہیں؟ غوری صاحب ہنسنے لگے، کیونکہ لیمن بارلے کے یہ الفاظ ذو معنی ہیں، یہ ایک معروف مشروب ''Lemon Barley'' کا بھی نام ہے اور پنجابی میں یہ الفاظ باہر والے لیموں کے معنی بھی رکھتے ہیں۔ اس ترکیب کی اسی ذو جہتی نے انھیں محظوظ کیا، اور بعد میں کئی دفعہ خود بھی یہ ترکیب انھوں نے استعمال کی۔

وہ موت کے استقبال کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ ''المورد'' کی موجودہ بلڈنگ میں جب ہم آئے تو ان دنوں ابھی ان کے بچے ٹیکسلا ہی میں مقیم تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ اگر میں مر گیا تو میرا جنازہ پڑھنے کے لیے صرف فلاں مسلک کے لوگوں کو بلانا، اگر میرے بچے ہوئے تو وہ جو چاہے فیصلہ کریں۔

غوری صاحب نے پوری زندگی نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی نذر کر دی۔ اس کے لیے نہایت عرق ریزی سے بائیبل اور اس سے متعلق بے شمار کتابیں کھنگال ڈالیں۔ نبی پاک کی نبوت کے حق میں سابق انبیا کے فرامین و پیشین گوئیوں کو تحقیق و فہم کے بعد یکجا کیا اور ان کی توضیح میں عمدہ تصانیف چھوڑیں۔ مجھے ان میں سے سیدنا موسیٰ والی دلیل بہت متاثر کرتی ہے، جس میں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو وقت کے پیراے میں بیان کیا ہے، اس لیے کہ غوری صاحب نے اسے جس طرح سے واضح کر دیا ہے، شاید ہی اس کے بعد کسی توضیح کی ضرورت ہو!

ہم آپ غوری صاحب کے منہج تحقیق اور نتائج فکر سے اختلاف تو کر سکتے ہیں، لیکن ان کی محنت، لگن، عرق ریزی، مطالعہ، علمی دیانت، سنجیدہ طرز کلام، اسلوب کی متانت، محتاط الفاظ کا چناؤ، جیسے امور سے اختلاف نہیں کر سکتے۔

مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی رحمہما اللہ کو اگر مثال بنایا جائے تو ان کے کام کا منہج اصلاحی نہیں مودودی تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان کو تفسیر ''تدبر قرآن'' بھی پسند تھی، لیکن ''تفہیم القرآن'' کے وہ دل دادہ تھے۔ اردو میں ان کا اسلوب نگارش بھی مودودی صاحب سے متاثر تھا، اگرچہ وہ اپنے الگ خصائص بھی رکھتا ہے۔

یونیورسٹی میں ملازمت سے پہلے میرے ساتھ ان کی علمی گفتگو بہت زیادہ رہتی۔ تصنیف و تالیف کے دوران میں جب کوئی فصل لکھ لیتے، یا کوئی نئی بات دریافت کرتے تو مجھے بلا لیتے، اپنی دریافت اور اس تک پہنچنے کے واقعے کو پوری تفصیل سے بتاتے۔ میں پوری توجہ سے سنتا، وضاحتی استفسارات چلتے رہتے، لیکن ان کا بیان تا دیر جاری رہتا۔ اسی طرح تحقیق و تصنیف کے دوران میں وہ عربی زبان، قرآن و حدیث کے بعض نصوص کے فہم میں مجھ سے ازراہ عنایت مشورہ کرتے تھے۔ عربی زبان کی مشکلوں میں تو اکثر وہ مجھے کہتے کہ تم نے اچھی بات بتائی ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کے نصوص کے سمجھنے میں چونکہ میرا منہج اور تھا، اس لیے بعض جگہوں پر جب اختلاف ہوتا تو پھر قائم رہتا۔ اس کی اصل وجہ اصولوں کا اختلاف تھا۔ ہمارے مدرسۂ فکر میں قرآن و حدیث کے فہم میں اگرچہ خارجی وسائل بھی پوری طرح ملحوظ ہوتے ہیں، مگر داخلی وسائل کی اہمیت زیادہ ہے، جبکہ غوری صاحب مرحوم کا اصول اس کے برعکس تھا۔ لیکن جس بات کے کہنے کے لیے میں نے یہ گفتگو شروع کی تھی، وہ یہ ہے کہ کبھی بھی یہ بات رائے کے قبول کرنے میں آڑے نہیں آئی کہ تم چھوٹے ہو یا میرا تجربہ زیادہ ہے۔ وہ ہمیشہ ان چیزوں سے بلند ہو کر سوچتے، بات کرتے اور جب بات واضح ہو جاتی تو اسے بلا جھجک تسلیم کر لیتے۔ یہی حق پرستوں کا شیوہ رہا ہے۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

مجھے ان کی کتاب ''Muhammad Foretold in The Bible by Name'' میں حضرت داؤد والی پیشین گوئی کی تاویل سے اختلاف تھا، لیکن میں ادب و احترام میں کبھی ان کو یہ نہیں بتا سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب بھی اس پیشین گوئی پر بات شروع ہوئی، وہ اس پیشین گوئی کی حلاوت میں ایسے کھو جاتے کہ ان کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اس پیشین گوئی کے الفاظ کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا دیکھ رہے ہیں۔ خدا اس ایمانی حلاوت کے بدلے ان کو جنت کی نعمتوں کی حلاوت سے بہرہ یاب کرے۔ آمین۔

شاہد رضا

عبد الستار غوری: ایک صاحب تحقیق شخصیت

وہ شخصیت دار امتحان سے رخصت ہوگئی جو 'یٰۤاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً'[1] کی مصداق تھی۔ جناب محترم عبد الستار غوری صاحب نے حقیقت میں پرسکون اور بغیر کوئی بوجھ لیے مطمئن دل کے ساتھ اپنے پروردگار اور خالق حقیقی سے ملاقات کی۔ ان کے وجیہ اور متبسم چہرے کو دیکھ کر کوئی شخص بھی یہ اطمینان و سکون دیکھ سکتا تھا۔ نہ صرف ان کی ظاہری شخصیت ہی اس بات کی شاہد تھی، بلکہ عملی طور پر انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کے لیے جو کام کیا، اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ روز آخرت میں ان کے لیے باعث اطمینان و راحت ہوگا۔

عبد الستار غوری صاحب کے ساتھ علمی و ذاتی نوعیت کی نشست و برخاست تو ہوتی رہتی تھی، مگر ان کے ساتھ ایک کتاب ''Hagar, The Princess'' کے عربی ترجمے ''هاجر — الأميرة'' پر کام کرنے کا موقع بھی ملا۔ اس حوالے سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ استاذ اور شاگرد کا بھی تعلق قائم ہوگیا تھا۔ دراصل بائیبل کے مطالعہ و تحقیق کا شوق انھی کے ساتھ وابستگی کے بعد پیدا ہوا۔ ارادہ تو یہی تھا کہ بائیبل کے مطالعہ و تحقیق کے سلسلے میں ان کے ساتھ طویل المدتی وابستگی رکھوں گا، مگر یہ تمنا، افسوس کہ نہیں بر آئی، اس لیے کہ 'یضحك الأجل من الأمل'[2]، اور ایک اٹل حقیقت حد فاصل بن گئی، جس سے کسی بھی ذی روح کو فرار نہیں۔ یہ ان کی اعلیٰ ظرفی اور نظر عنایت تھی کہ میری درخواست پر انھوں نے مجھے اپنے کام کے ساتھ وابستہ کیا۔ بقول اقبال[3] رحمہ اللہ:

---

[1] الفجر ۸۹: ۲۷-۲۸۔ ''اے نفس مطمئن، اپنے پروردگار کی طرف اس حال میں لوٹ کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی۔''

[2] شعب الایمان، بیہقی، رقم ۲۲۸۔ ''موت تمنا کے ساتھ ہنسی کرتی ہے۔''

[3] کلیات اقبال (اردو)، ارمغان حجاز، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۴۷۔

اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
’شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را‘

عبدالستار غوری صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے اور ان سے استفادے کا موقع ملا۔

ان کو میں نے دیکھا ہے: لائبریری میں تحقیق وادراک میں منہمک ہوتے ہوئے؛ عبارات کو ان کے اصل مآخذ سے کھنگالتے ہوئے؛ عبارات کے لفظ لفظ پر ڈیرے ڈالتے ہوئے؛ معانی واستدلالات کے علاوہ الفاظ کی تحقیق کے لیے لغات سے رجوع کرتے ہوئے؛ تراقیم (اوقاف) کی اہمیت کے پیش نظر اصول وقواعد تلاش کرتے ہوئے؛ تعصب سے بالاتر ہو کر نتائج وحاصلات مرتب کرتے ہوئے؛ اطمینان قلب کے لیے مجھ جیسے کوتاہ علم سے بھی مشورہ لیتے ہوئے؛ بلاتفریق دیگر احباب کے ساتھ مجلس درس وطعام کرتے ہوئے؛ تواضع، عجز اور خشوع وتذلل کے ساتھ اپنے پروردگار کے ساتھ لو لگاتے ہوئے؛ دوسروں کے مسائل واحتیاجات کو اپنا گردانتے ہوئے، ان کے لیے پریشان ہوتے ہوئے اور بذات خود ان تک پہنچتے ہوئے؛ دوسروں کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے ہوئے؛ دل نواز آواز میں احباب کو ندا دیتے ہوئے؛ اکثر میری بیٹی ابیہا کی خیریت دریافت کرتے اور اس کے لیے دعا کرتے ہوئے؛ اپنی حس مزاح کے ساتھ مسکراہٹ کے پھول بکھیرتے ہوئے؛ ’خیر الکلام ما قل و دل‘[۴] کی عملی تصویر پیش کرتے ہوئے۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک صاحب علم وتحقیق شخصیت تھے۔ علم وتحقیق کے میدان میں آزاد، غیر جانب دار اور تعصب سے بالاتر ماحول کی بہت اہمیت ہوتی ہے، ’’المورد‘‘ کے سربراہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب اور سیکرٹری جنرل جناب ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب اپنے اسکالرز کو یہی ماحول فراہم کرتے ہیں۔ محترم عبدالستار غوری صاحب نے کم وبیش ۱۸ سال اسی ماحول میں رہ کر اپنی تحقیقات پیش کیں۔

محترم عبدالستار غوری کس پایہ کے محقق تھے؟ یہ ان کی تحقیقات سے بہ احسن طریق واضح ہوتا ہے کہ وہ بائیبل کے مطالعہ وتحقیق کے حوالے سے ’الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ‘[۵] کے مرتبے کے اسکالرز میں سے تھے۔ بائیبل کے مطالعہ وتحقیق کے حوالے سے ان کو وہ ملکہ حاصل تھا جو شاید کم ہی علما کو نصیب ہوا ہو۔ ان کے جواہر تحقیق اگر ملاحظہ کرنے ہوں تو ان کی شاہکار کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ان کی کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

---

۴ الحاوی الکبیر فی فقہ مذہب الامام الشافعی، ماوردی ۱۱/۱۔ ’’بہترین کلام وہ ہے جو تھوڑا ہو، مگر زیادہ معانی والا ہو۔‘‘

۵ اٰل عمرٰن ۳: ۷۔ ’’وہ جنھیں علم میں رسوخ حاصل ہے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۔ The Only Son Offered for Sacrifice: Isaac or Ismael

اس کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۴ء میں منصۂ شہود پر آیا۔ دوسرا اور نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۲۰۰۷ء میں ''المورد: ادارۂ علم و تحقیق، لاہور'' نے شائع کیا۔ ۳۱۳ صفحات کی یہ کتاب ۱۱ ابواب اور ۵ ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔ اسے نیو دہلی انڈیا کے ایک ممتاز پبلشر ''Gyan Publishing House'' نے بھی ۲۰۱۰ء میں طبع کیا ہے۔ اس کتاب کا انھوں نے اردو ایڈیشن بھی ''اکلوتا فرزند ذبیح اسحٰقؑ یا اسمٰعیلؑ'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کو ''من هو الإبن الوحيد الذبيح؟ إسحاق أو إسماعيل'' کے نام سے عربی زبان میں شائع کرنے کا ارادہ تھا، جبکہ وہ اس کا عربی ترجمہ جناب پروفیسر خورشید عالم صاحب سے مکمل کروا چکے تھے، مگر اجل نے انھیں اس کا موقع نہ دیا۔ یہ کتاب ملکی اور غیر ملکی طور پر مقبولیت خاص و عام حاصل کر چکی ہے، اس بات کا اندازہ شائع شدہ انگریزی ایڈیشن کے بیک ٹائٹل اور اردو ایڈیشن کے ابتدائی صفحات میں سے صفحہ ۱۲ پر موجود ذیل کے اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

''A very strange book by this Pakistani researcher who deploys an absolutely astonishing scholarship as well as an inquisitive spirit which is remarkably ingenious to prove that 'the only son' whom Abraham was to sacrifice on Mount Moriah was not Isaac (the Judeo-Christian tradition), but rather Ismael.(...), he finally shows with firmness that the Muslim interpretation is the only objective one.''

''اس پاکستانی محقق کی یہ ایک بہت عمدہ کتاب ہے۔ اُس نے اس کی تالیف میں انتہائی حیرت انگیز علم و دانش اور تحقیقی جذبے سے کام لیا ہے۔ اُس نے بڑے سلیقے اور نمایاں طور پر تخلیقی مہارت سے کام لیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ 'اکلوتا بیٹا'، جسے ابراہیم [علیہ السلام] کوہِ موریاہ پر قربانی کے لیے پیش کرنا چاہتے تھے، اسحاق [علیہ السلام] نہ تھا (جیسا کہ یہودی اور مسیحی روایت ہے)، بلکہ اسماعیل [علیہ السلام] تھا (جیسا کہ مسلم تاویل کرتے ہیں)۔ (...)، مصنف بالآخر نہایت مضبوط بنیادوں پر یہ واضح کر دیتا ہے کہ صرف مسلم تعبیر ہی معروضی تعبیر ہے۔[۶]''

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں:

اس کتاب کی طبع اول مارچ ۲۰۱۰ء میں ہوئی۔ یہ کتاب ۱۵۱ صفحات اور ۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کی طباعت بھی ''المورد: ادارۂ علم و تحقیق، لاہور'' نے کی ہے۔ جیسا کہ غوری صاحب نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس کتاب کا باب دوم اور باب چہارم ان کی انگریزی کتاب ''Muhammad Foretold in The Bible by Name'' سے لے کر اردو میں ترجمہ کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مقصد طباعت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

۶۔ ببلیو گرافی ناویلے ریو یوتھیالوجیق، برسلز، بلجیم، صفحہ ۳۶۶، شمارہ ۱۴/ مارچ ۲۰۰۷ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''کتاب کا مقصد ایک تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شعوری ایمان مضبوط ہو اور آپ کی نبوت کی ایک محکم دلیل سے آشنائی ہو۔ دوسرا مقصد یہ کہ تحقیق کے طلبہ میں بائبل پر تحقیق و مطالعہ کا ذوق پروان چڑھے۔ اب تک ہمارے علما نے اس کی طرف بہت کم اعتنا فرمایا ہے، حالانکہ یہ ہر دور کے مسلمانوں کی ایک اہم ضرورت رہی ہے۔ ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلبہ میں اسے اپنا موضوعِ تحقیق بنانے اور اس پر دل جمعی سے کام کرنے کا میلان فروغ پائے۔ اس کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ اربابِ علم و تحقیق کو ایسے موضوعات پر کام کرنے کے لیے ایک نمونہ اور اسلوب مہیا کر دیا جائے۔ یقین ہے کہ اس کے مطالعے سے طلبہ کے لیے علم و تحقیق کا اب تک فراموش کردہ لیکن نہایت اہم میدان کھلے گا اور اس میدان میں کام کرنے کا جذبہ بیدار ہوگا، اِن شاء اللہ۔''[7]

اس کتاب کی جملہ پیشین گوئیوں کے ساتھ ساتھ ایک اہم وہ پیشین گوئی ہے جو انھوں نے ''صعود موسیٰ'' (Assumption of Moses) نامی کتاب سے باب چہارم میں بیان کی ہے۔ بقول جناب غوری صاحب آج تک کسی مسلم عالم نے اس کو موضوعِ تحقیق نہیں بنایا ہے۔ وہ پیشین گوئی درج ذیل ہے:

''And then His kingdom shall appear throughout His creatoin,

(...)

And He will appear to punish the Gentiles,

And He will destroy all their idols.

(...).

And do thou, Joshua (the son of) Nun, keep these words and this book;

For from my death [assumption] until His advent there shall be CCL times.

And this is the course of the times which they shall pursue till they are consummated.

And I shall go to sleep with my fathers.

Wherefore, Joshua thou (son of) Nun, (be strong and) be of good courage; (for) God hath (thee) to be minister in the same covenant.

''اور تب اس کی بادشاہت اس کی تمام مخلوق میں رونما ہوگی۔

(...)۔

اور وہ غیر یہودی اقوام کو سزا دینے کے لیے ظاہر ہوگا۔

اور وہ ان کے تمام بت تباہ کر دے گا۔

(...)۔

---

[7] محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں، ابتدائی صفحات، ۱۲۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اور نون (کے بیٹے) یوشع، تم یہ کرو کہ ان الفاظ اور اس کتاب پر قائم اور ان سے وابستہ رہو۔ کیونکہ میری موت (صعود) سے لے کر اس کی آمد تک سی سی ایل ٹائمز (CCL times) کا عرصہ ہوگا۔

اور ان کے اوقات وحالات یہی رخ اختیار کریں گے، حتیٰ کہ وہ پایۂ تکمیل تک پہنچ جائیں (یا وہ ختم ہو جائیں) اور میں اپنے آبا واَجداد کے ساتھ ابدی نیند سونے چلا جاؤں گا۔

اس لیے اے نون (کے بیٹے) یوشع، تم (مضبوط ہو جاؤ اور) خوب حوصلہ پیدا کرو، (کیونکہ) خداوند تعالیٰ نے (تمھیں) اسی میثاق میں خادم ومنتظم ہونے کے لیے چن لیا ہے[۸]۔‘‘

۳۔ Muhammad Foretold in The Bible by Name

اس کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ ۳۸۸ صفحات کی یہ کتاب ۱۵ ابواب اور ۴ ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔ اسے بھی ’’المورد: ادارۂ علم وتحقیق، لاہور‘‘ نے شائع کیا ہے۔ غوری صاحب اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی مکمل کر چکے تھے، مگر اس کی طباعت کے لیے زندگی نے انھیں مہلت نہ دی۔

ان کتب کی تحریر، تحقیق وتدوین اور ترجمے میں ان کے بیٹے جناب ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری صاحب بھی ان کے شانہ بہ شانہ رہے۔ بائیبل کے حوالے سے تحقیق ومطالعہ کا وہی رنگ ان میں بھی خوب پایا جاتا ہے۔

جناب عبدالستار غوری صاحب کی تصانیف کے انداز تحقیق اور اسلوب تحریر میں بنیادی طور پر درج ذیل پہلو نمایاں نظر آتے ہیں:

۱۔ اپنے دعویٰ کی تائید اور استدلال کے لیے وہ بالعموم اہل کتاب کے مستند حوالہ جات پیش کرتے ہیں اور ان کی استنادی حیثیت کو بھی واضح کرتے ہیں۔

۲۔ اسلامی مآخذ ومراجع سے اسی وقت رجوع کرتے ہیں، جب اپنے موقف کی وضاحت یا اہل کتاب کے حوالہ جات کی تائید مزید مطلوب ہو۔

۳۔ انھوں نے تالیف کے لیے ’شکاگو مینوئل‘ (Chicago Manual of Style) کو پیش نظر رکھا ہے، تاہم قارئین کی سہولت کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

۴۔ تراقیم (اوقاف)، اردو املا اور جملوں کی درست تالیف کا بالخصوص اہتمام کیا ہے۔

۵۔ ایک خاص مسئلہ جس کی طرف انھوں نے توجہ دلائی ہے، وہ یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ انگریزی میں جو ’PBUH‘ (peace be upon him) لکھا جاتا ہے، وہ ’صلی اللہ علیہ وسلم‘ کا درست ترجمہ

۸؎ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں ۹۵۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نہیں ہے، بلکہ درست ترجمہ ’pbAh‘ (peace and blessings of Allah upon him) ہے۔ اس کی وضاحت میں وہ لکھتے ہیں:

"(PBUH) is generally used with the names of the Prophets but it is not the exact translation of 'صلی اللہ علیہ وسلم'. The editor has used (pbAh) as the abbreviation for 'peace and blessings of Allah on him', which is the exact rendering for the Arabic phrase."[۹]

"انبیا کے ناموں کے ساتھ عموماً 'PBUH' استعمال کیا جاتا ہے، مگر یہ 'صلی اللہ علیہ وسلم' کا صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ ایڈیٹر نے 'peace and blessings of Allah on him' کے لیے 'pbAh' مخفف کے طور پر استعمال کیا ہے جو کہ عربی جملے کا درست ترجمہ ہے۔"

ان کتب کے علاوہ انھوں نے بعض کتب پر تحقیق و تدوین کا کام بھی کیا ہے۔ ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ Hagar, The Princess

اس کی طبع اول ۲۰۱۲ء کو ہوئی اور اسے "Interfaith Study and Research Centre Islamabad" نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۷۳ صفحات، ۱۲۷ ابواب اور ۲ ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف جناب محمد اشرف چھینا صاحب ہیں۔ جناب غوری صاحب نے اس کا "هاجر ــــ الأميرة" کے نام سے عربی میں ترجمہ کرایا ہے، جسے جناب پروفیسر خورشید عالم صاحب نے انجام دیا ہے۔ ابھی تک اس کی طباعت بوجوہ نہیں ہو سکی ہے۔ غوری صاحب کی رہنمائی میں اس کے عربی ترجمے پر مجھے بھی کام کرنے کا موقع ملا۔

۲۔ Israelites versus other Nations

اس کی طبع اول ۲۰۱۲ء کو ہوئی اور اسے بھی "Interfaith Study and Research Centre, Islamabad" نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ۳۱۸ صفحات اور ۱۳ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف بھی جناب محمد اشرف چھینا صاحب ہیں۔

۳۔ The Glorious Names of Allah

اس کتاب کی اشاعت اول ۲۰۱۱ء میں ہوئی اور اسے 'پیراماؤنٹ پرنٹرز حیدر آباد' نے شائع کیا۔ یہ کتاب ۲۷۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور انگریزی کے مترجم پروفیسر ڈاکٹر عبدالخالق ہیں۔

جناب عبدالستار غوری صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کے لیے جس الفت و محبت کے جذبے سے ان کتب کو تالیف کیا، دعا ہے کہ آخرت میں بھی یہ ان کے لیے فلاح و کامرانی کا مژدہ بنیں۔ آخری ایام

۹۔ Hagar The Princess, preliminary, I.S.R.C, Islamabad, p: 16.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں وہ اکثر اپنی سقیم الحالی کی شکایت کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ بڑھاپے کی آزمایش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلا لے تو اچھا ہے، اور پھر ۲۲/ اپریل ۲۰۱۴ء کی وہ صبح ہمارے لیے نہایت تکلیف دہ ثابت ہوئی جس میں ہمیں ان کی وفات کی خبر ملی۔ ان کے لیے ہر آنکھ نم ہے، ہر دل افسردہ و غمگین ہے اور ہر طبیعت پریشان ہے، مگر سوائے اظہار تأسف اور دعا کے کچھ اختیار میں نہیں۔ وفات کے وقت ان کے چہرے پر وہی تبسم تھا جسے میں نے اپنے استاذ گرامی جناب سید محمد اجمل گیلانی رحمہ اللہ کے چہرے پر دیکھا تھا:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست

"... پچھلے قریباً ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا بھر کی مساجد میں روزانہ پانچ مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بآواز بلند گونجتا ہے۔ کروڑوں لوگ روزانہ آپ پر اربوں کھربوں درود وسلام بھیجتے ہیں۔ روضۂ رسول پر جہاں دنیا بھر کی مختلف قوموں کے لاکھوں لوگ روزانہ حاضری دیتے ہیں، یہ منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک روح پرور اور ایمان افروز نظارہ پیش کرتا ہے۔ دنیا میں کسی اور ذات کے سلسلے میں یہ بات صادق نہیں آتی۔"

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں، عبدالستار غوری ۱۴۸)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

احسان الرحمٰن غوریo

ابو کی یاد میں

کسی بڑے انسان کے پاس جانے کے لیے وقت مانگا جاتا ہے۔ اللہ سے ملنے کے لیے بھی ابو نے ۲۰۱۴ء کا وقت مانگ لیا تھا۔ اور اللہ نے انھیں اپنی ملاقات کے لیے ۲۲/ اپریل ۴۰:۳ کا وقت دیا۔ ''میں نے اپنے اللہ سے کہہ دیا ہے کہ ۲۰۱۴ء میرا آخری سال ہو''، ابو کے یہ الفاظ اور کہنے کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ یہ محض الفاظ نہیں جو ہوا میں تحلیل ہو کر اپنا اثر کھو دیں گے۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اللہ نے میرے ابو کی اس معصومانہ دعائیہ خواہش کو شرف قبولیت بخش دیا تھا۔ صبح ۳۰:۶ پر انھیں دل کا دورہ پڑا۔ جناح ہسپتال ایمرجنسی میں ایک دن بے ہوشی کی حالت میں گزارا اور صبح فجر کی اذان سے کچھ پہلے ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ گئے۔

دو تین ماہ پہلے جب ابو نے یہ الفاظ کہے، تب مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے ابو کی اس معصوم خواہش کو بھی پورا کر دے گا اور وہی ہوا۔ ۲۲/ اپریل ۲۰۱۴ء کی صبح ۴۰:۳ کا وقت اللہ نے میرے ابو کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے مقرر کر دیا۔ ۲۱/ اپریل کی رات درد اور بے چینی کے دوران کلمۂ طیبہ اور درود شریف کا ورد جاری رکھا۔ مجھے کہنے لگے: جسم میں بہت درد ہے، تم بس دباتے رہو۔ ۲ بجے کے قریب اچانک انھیں خیال آیا کہ میری نماز رہ گئی ہے۔ ابو نے کہا: مجھے بٹھا دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں۔ نماز پڑھ کر پھر لیٹ گئے اور مجھے کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر طائف میں جو دعا پڑھی تھی، وہ تمھیں یاد ہے؟ میں نے کہا: نہیں ابو۔ پھر انھوں نے وہ دعا پڑھی اور کہنے لگے کہ دیکھو کتنی جامعیت ہے اس دعا میں، اور مجھے تاکید کی کہ اسے ضرور یاد کرنا۔ میرا ماتھا چوم کر مجھے دعا دی اور کہا: بس اب کہانی ختم ہو گئی ہے۔ ابو کے ساتھ یہ میری رات شاید میری زندگی کے چند ایسے لمحات ہیں جنھیں اپنی یاد سے محو کرنا شاید ناممکن ہے۔

---

o عبدالستار غوری صاحب کے صاحب زادے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں اُس کی یاد کے لمحوں کا کیا حساب رکھوں

کہ اس طرح کے تو اب بے حساب لمحے ہیں

زبان سے تو صرف ذکراذکار جاری رہے، البتہ ان کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ بقول جون ایلیا:

کچھ سخن تو زباں کے تھے ہی نہیں

ابو جان سادگی، اخلاص، محنت اور لگن کی مجسم تصویر تھے۔ پٹیالہ میں گزرے اپنے زندگی کے ابتدائی سالوں کو ہمیشہ بہت fantasize کرتے تھے۔ دوسروں کی مدد کرنے میں بہت خوشی اور سکون محسوس کرتے تھے۔ اپنی متنوع علمی سرگرمیوں کے ساتھ فلاحی کاموں میں آپ بہت توجہ اور اخلاص کے ساتھ حصہ لیتے رہتے تھے۔ گوجرانوالہ میں ایک مسجد اور اس سے ملحقہ مدرسے خدیجۃ البنات کی تکمیل و تنظیم میں بہت فراخ دلی سے معاشی اور عملی طور پر شامل رہے۔ وہاں جب بھی جاتے، اُن کی خوشی دیدنی ہوتی۔ ایک ماہ پہلے ہی ایک اور رفاہی سلسلے کا ابتدائی خاکہ بنا کر مجھے کہا کہ یہ تم نے سنبھالنا ہے۔ میرے ذمے عیسائی سے مسلمان ہونے والے ہمارے بھائیوں کی معاشی، سماجی، علمی اور قانونی مدد کے لیے پہلے سے قائم ایک ادارے کے لیے مناسب جگہ اور مالی مدد کا اہتمام کرنا تھا۔ علاوہ ازیں، ابو کے جنازے پر مجھے اندازہ ہوا کہ بہت سے خاندان ایسے بھی تھے جن کی مدد ابو کیا کرتے تھے اور انھوں نے کبھی ذکر بھی نہیں کیا۔

علم دوستی، علما سے عقیدت اور کتابوں سے عشق، ابو کی زندگی کا شعار رہا ہے۔ بچپن میں ہم سوچتے تھے کہ پتا نہیں کیوں ابو اتنی کتابیں خرید لاتے ہیں۔ ان کا کیا فائدہ ہوگا۔ مجھے اب اندازہ ہوتا ہے کہ ابو نے اصل میراث تو یہی چھوڑی ہے۔ جب بھی کوئی قیمتی یا اہم کتاب اُن کے پاس آتی تو اُن کے چہرے کی روشنی اور آنکھوں کی چمک دیدنی ہوتی۔ بلاشبہ، مسیحیت، یہودیت اور بائیبل کے موضوع پر اہم ترین کتب ابو کی لائبریری کی زینت تھیں اور ابو ہمیشہ فخر سے اس کا تذکرہ کرتے تھے۔ اپنی تصنیف کردہ تینوں کتابوں پر ابو کو بہت اطمینان اور فخر محسوس ہوتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیان کردہ پیشین گوئی کے موضوع پر لکھی گئی اپنی کتاب کے بارے میں کہتے تھے کہ میں جب اللہ کے پاس جاؤں گا تو یہ کتاب اپنے اللہ کو دکھا کر کہوں گا کہ اے میرے اللہ، یہ ایک تحفہ ہے جو میں آپ کے محبوب ترین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

میں اکثر ابو سے بہت اصرار کرتا تھا کہ ان کتابوں کے اردو اور عربی ترجموں پر توجہ دینے کے بجائے اگلی دونوں کتابوں کو مکمل کرنے کی کوشش کریں۔ البتہ، اُن کے نزدیک ان کتابوں کے عربی تراجم کی اہمیت زیادہ تھی۔ ابو کی تدفین کے لیے لاہور سے ٹیکسلا کے سفر کے دوران میں اللہ سے یہی دعا کرتا رہا کہ اے اللہ، مجھے اتنی صلاحیت اور

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

توفیق دے کہ میں اُن کے اگلے projects کو انھی کے معیار کے مطابق مکمل کر سکوں۔ اقبال رحمہ اللہ نے تو کہا تھا کہ: دِگر دانائے راز آید کہ ناید۔ البتہ، میری دعا ہے کہ اپنی کم مائیگی و کم علمی کے باوجود اللہ میری اس خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے تاکہ میں بھی اپنے اللہ، اپنے پیارے رسول اور اپنے ابو کے سامنے سرخ رو ہو سکوں۔ شاعر نے تو کہا تھا کہ:

وقت وہ کوہ گراں بار ہے جس کے نیچے
صرف انساں ہی نہیں خواب بھی دب جاتے ہیں

میری دعا ہے کہ ابو کے یہ خواب وقت کے کوہ گراں تلے دفن نہ ہوں، بلکہ روشنی کا مینار ثابت ہوں۔

اللہ اُن کے درجات کو بلند فرمائے، اُن کے علمی اور رفاہی کاموں کو اُن کی منشا کے مطابق جاری و ساری رکھے۔ ہمارے حوالے سے ان کی دعائیں اور خواہشیں پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور ان کی کاوشوں کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

’’معاملے کی جتنی بھی چھان بین کی جائے یہ بات اُجاگر ہوتی جائے گی کہ 'حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند' ہونے کی خصوصیت صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پائی جاتی ہے، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کا اطلاق کسی طرح ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں کئی اور پہلوؤں سے بھی بات ہو سکتی ہے، لیکن موجودہ تحریر کی مختصر اور محدود نوعیت کے پیشِ نظر ان سے تعرض نہیں کیا جا رہا۔‘‘

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں، عبدالستار غوری ۴۳)

چند یادیں چند باتیں

علم واخلاق کا متاثر کن امتزاج

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

''بائیبل کے ریسرچ اسکالر؟''

محترم عبدالستار غوری کا تعارف سنتے ہی خوش گوار حیرت ہوئی۔

ان کے زیر تحقیق موضوع ہے:

''بائبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیاں''

یہ سنا تو ملاقات کی خواہش نے شدت اختیار کر لی۔ تمنا پوری ہوئی تو خوش گوار حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔ اتنے بڑے عالمی سطح کے اسکالر، مگر تصنع سے بالکل پاک۔ کم علموں کو مرعوب کرنے کے خبط سے پوری طرح آزاد۔ علمی تکبر کا نام ونشاں نہیں۔ آواز نرم، لہجہ دھیما، لباس سادہ۔ ان کے مخصوص علم اور موضوعات کے ساتھ ساتھ شخصیت نے بھی متاثر کیا۔ علم واخلاق کا متاثر کن امتزاج۔

پھر وقتاً فوقتاً ملاقاتوں کا سلسلہ قائم رہا۔ ان سے سیکھتے رہے۔ ان کی باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان میں اضافہ ہوتا۔ جس شخص نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ پڑھ رکھا ہو کہ آپ کا چہرہ طلوع ہوتے ہوئے سورج کی مانند تھا، یعنی سرخ وسفید تھا۔ آپ کے بال روشن اور سیاہ تھے۔ ان میں ہلکا سا گھونگر تھا۔ دنیا سے رخصت ہونے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی، دونوں میں بیس سے زیادہ سفید بال نہ تھے۔ اس کے بعد جب غوری صاحب بائیبل میں درج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

شمائل بیان کریں کہ میرا محبوب سرخ وسفید ہے۔ وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوے سی کالی ہیں، ان میں ہلکا سا گھونگر ہے اور وہ ملک عرب کا باشندہ ہے۔ اس کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کسی طرح ممکن نہیں، کیونکہ بائیبل کی کتاب ''مکاشفہ'' میں صاف لکھا ہے کہ ''اس کا سر اور بال سفید، بلکہ برف کی مانند سفید تھے۔'' تو ایمان میں اضافہ کیوں نہ ہو۔

افسوس! ملائیت کے پھیلائے ہوئے تعصب نے مسلمانوں کو بائیبل کی روشنی سے دور کر رکھا ہے۔ تورات وانجیل، جن کا ذکر قرآن مجید میں ـــــ جنھیں ماننا ایمان کا تقاضا ـــــ مسلمان دنیا جہاں کی کتابیں پڑھتے ہیں، مگر تورات و انجیل نہیں۔ کاش، اہل تقلید و جمود غوری صاحب کا کام دیکھیں تو انھیں معلوم ہو کہ یہ آسمانی کتابیں بھی کیسے اہل زمیں کو بلند کرتی ہیں۔

حقیقت میں تُرک، مگر برصغیر میں مغلیہ سلطنت کے بانی کے طور پر شہرت پانے والے ظہیر الدین بابر نے اپنی تُرک زبان میں لکھی ہوئی کتاب ''تزک بابری'' میں برصغیر پاک و ہند کی معاشرہ پیمائی کی۔ لکھتے ہیں: ''یہاں کے لوگ ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور نہ دوستی اور اختلاط سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان کے خاندان بھی آپس میں گھل مل کر نہیں بیٹھ سکتے۔ یعنی ان میں معاشرتی لطف اندوزی نہیں ہے۔''

بابر کی یہ رائے ہمارے سامنے ہو اور اس کے بعد اہل علم وتحقیق کا مشاہدہ کیا جائے تو وہ مزید آدم بے زار دکھائی دیتے ہیں۔ شاید ان کے کام کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ انسانوں کے بجائے کتابوں کی ہم نشینی سے زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مگر غوری صاحب ایک بڑے صاحب علم وتحقیق ہونے کے باجود اپنے اندر معاشرتی لطف اندوزی کا قابل ذکر وصف رکھتے تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے بہانوں سے احباب، بلکہ دفتر کے تمام کارکنوں کے لیے کھانے کی دعوت کا اہتمام کرتے رہتے تھے۔ یوں وہ خشک علمی ماحول میں معاشرتی رنگ بھرتے رہتے تھے۔ یہ بجا طور پر ایک پیغمبرانہ وصف تھا جو علمی لوگوں میں کم کم ہوتا ہے۔

آہ! غوری صاحب اب ہم میں نہیں رہے۔ ان کی باتیں ہیں، یادیں ہیں اور ان کے غیر معمولی علمی کام۔ وہ ہمیں چھوڑ کر رفیق اعلیٰ کی رفاقت حاصل کر چکے۔ قوی امید ہے کہ رفیق اعلیٰ نے دنیا میں لوگوں کو معاشرتی لطف اندوزی مہیا کرنے والے کو برزخی لطف اندوزی مہیا کر رکھی ہو گی۔

ـــــ محمد بلال

(سابق نائب مدیر، ماہنامہ اشراق)

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

ایک درویش محقق

کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے کہ کسی صاحب علم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کا علم کردار میں ڈھل جاتا ہے۔علم وتحقیق کی صلاحیت ہو یا عبادت وریاضت کا ذوق، اگر یہ صلاحیتیں انسان کے نفس کا تزکیہ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں تو ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی درجے میں اچھا محقق بن جائے یا ''صاحب کشف وکرامات'' ہو جائے، لیکن وہ قرآن کا مقصود انسان بہر حال قرار نہ پا سکے گا۔اس پہلو سے جب ہم مرحوم عبدالستار غوری کی زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ صاحب کردار محقق اور درد دل رکھنے والے بزرگ تھے۔ بائیبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں موجود پیشین گوئیوں کو اپنی تحقیق کا محور بنانے والے ان بزرگ کے دنیا سے چلے جانے کی خبر پر دل ودماغ پر جو پہلا اثر ہوا، وہ یہی تھا کہ عظمت کردار کے لحاظ سے قحط الرجال کا شکار یہ معاشرہ کچھ اور تہی دامن ہو گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان سے تعلق کی نوعیت ایک بہت سینئر کولیگ کی بھی رہی اور ہمدرد بزرگ کی بھی۔ جن علمی مجالس میں انھوں نے اپنی تحقیق کے نکات پیش کیے، ان میں بھی شرکت کا موقع ملا، لیکن ان سے جو تعلق بن پایا، وہ ایک مشفق بزرگ ہی کا تھا۔ وہ تعلق کو صرف علمی گفتگو تک ہی محدود رکھنے کے قائل نہ تھے، بلکہ بڑے غیر محسوس طریقے سے بے تکلفی پیدا کر لیتے اور جہاں کہیں انھیں دوسرے کی مدد کا موقع نظر آتا، وہ خود آگے بڑھ کر مدد فرماتے۔۲۰۰۲ء میں جب انھیں علم ہوا کہ مجھے ماہنامہ ''آنکھ مچولی'' کے پراجیکٹ میں شدید مشکلات کا سامنا ہے اور اچھا خاصا مقروض ہو چکا ہوں تو انھوں نے خود مجھ سے رابطہ کیا۔ بچوں کی کردار سازی پر کام کرنے والی ایک این جی او سے میرا تعارف کرایا اور بعض نصابی کتب مرتب کرنے کا کام دلوایا۔ اس سے میرے اوپر واجب الادا کئی قرض ادا ہو گئے۔ اس موقع پر مجھے معلوم ہوا کہ ان کا یہ رویہ مجھ تک ہی محدود نہیں، بلکہ ادارے کے ضرورت مند ملازمین کے ساتھ ان کا رویہ بطور خاص ان کی پہچان ہے اور وہ مدد کرتے وقت اس بات کا بہت خیال رکھتے کہ کسی کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ ان کا طرۂ امتیاز ان کا سادہ رہن سہن تھا۔ ان کے لباس، رہایش، طعام اور عادات، سب میں ایک پروقار سادگی تھی۔ اس لحاظ سے، بلا شبہ وہ ہمارے اسلاف کی علمی روایت کے تسلسل کی زندہ مثال تھے۔ چنانچہ وہ چند احباب ان کی تنقید کی زد میں رہتے جو ان کو معیار زندگی بلند کرنے کے چکر میں خواہ مخواہ خجل خراب ہوتے نظر آتے۔

وہ اکثر اوقات ''المورد'' میں اپنے کمرے ہی میں رہتے۔ ان کے لیے اپنا علمی کام کرنا کوئی ڈیوٹی کا معاملہ نہ تھا، بلکہ ''المورد'' ہی ان کا گھر اور یہی ان کی ساری سرگرمیوں کا مرکز بھی تھا۔ اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ ان کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف اپنے تحقیقی پراجیکٹ کو اپنے متعین کردہ معیار پر جلد از جلد پورا کرنا تھا۔ وطن عزیز پاکستان پر جب دہشت گردی کا عذاب مسلط ہوا اور ادارے کو عملی طور پر اپنی سرگرمیوں کو بہت محدود کرنا پڑا تو ان کے معمولات زندگی بھی بری طرح متاثر ہوئے۔ اس دوران میں، میرا جب بھی ''المورد'' جانا ہوا، وہ مجھے وہیں نظر آئے۔

بے رونق ''المورد'' کو دیکھ کر جی ہمیشہ بری طرح کڑھتا۔ سوچتا یہ وہ وہی مادر علمی ہے جس کے ساتھ ہم نے بڑے بڑے خواب وابستہ کیے تھے، جس کے ساتھ منسلک ہونے کے مقابلے میں خوش حال کیریئر کی فکر کو ایمان کی کمزوری سمجھا تھا۔ جہاں استاد محترم جناب جاوید احمد صاحب غامدی کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں، جہاں رفیع مفتی، طالب محسن، ساجد حمید، شہزاد سلیم، منظورالحسن، خالد ظہیر، سمیع مفتی، ڈاکٹر منیر، معز امجد، محمد بلال اور بعد میں آنے والے دیگر رفقاے کار دل و دماغ کی تازگی کا سبب تھے۔ اب جب وہاں جانا ہوتا تو پرانے لوگوں میں محمد اشرف، محمد حفیظ، عظیم ایوب، محمد فاروق، نعیم احمد، عمران خان اور دیگر احباب اپنے اپنے دائرۂ کار میں اب بھی خدمت کے لیے ہر دم تیار نظر آتے۔ لیکن صاحب علم لوگوں میں صرف عبدالستار غوری ہی نظر آتے۔ ان کی وفات کی خبر سنی تو دل واقعی کٹ کر رہ گیا۔ خیال ہوا کہ اب واقعی ''المورد'' میں علمی کتابیں ہی بچی ہیں۔ اپنے معاشرے کی اخلاقی اور علمی زبوں حالی کا احساس مزید گہرا ہو گیا اور ان کے سانحۂ ارتحال کا صدمہ تو اس وقت مزید سوا ہو گیا جب ان کے جنازے میں بہت کم دوستوں سے ملاقات ہوئی۔

سوچتا ہوں کہ کاش! کم از کم اتنا ہی انتظام ہو جائے کہ کمپیوٹر سے ماورا ہو کر ہم سب دوست، احباب کے مرنے جینے اور شادی بیاہ پر ہی اہتمام سے اکٹھے ہو جایا کریں۔ اگر کمپیوٹر ہی ہر مرض کی دوا ٹھہری تو کم از کم مجھے تو یہ اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی جنت بھی کمپیوٹر ہی کا کوئی چکر نہ ہو!

—— نعیم احمد بلوچ

(سابق رکن مجلس ادارت، ماہنامہ اشراق)

ہمارے غوری صاحب

یہ غالباً ۱۹۹۶ء کی بات ہے، ہمیں معلوم ہوا کہ ''المورد'' میں ایک نئے اسکالر تشریف لا رہے ہیں، ان کی خاص

بات یہ ہے کہ انھوں نے بائیبل کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو پیشین گوئیاں اس میں بیان ہوئی ہیں، ان کے حوالے سے وہ کوئی تصنیف لکھ رہے ہیں۔ قرآن مجید کا طالب علم ہونے کے ناتے میں اس بات کو جانتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے حوالے سے کئی اشارات ہیں، لیکن یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ ہمارے ہی ایک ساتھی اس پر ایک وقیع علمی کام کرنے والے ہیں۔

غوری صاحب سے جب ملاقات ہوئی، وہ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی حد تک بڑھاپے کی عمر میں تھے، لیکن کون جانتا تھا کہ اللہ ان کو کم وبیش اسی (۸۰) سال کی عمر سے نوازے گا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے کبھی وقت ضائع نہیں کیا، جب بھی ان کو دیکھا تو کچھ پڑھتے ہوئے یا کچھ لکھتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس کے علاوہ ان کی ایک بات جو مجھے بے حد پسند تھی، وہ ان کا ذوق عبادت تھا۔ اس قدر انہماک سے نماز پڑھتے، گویا کہ اس حدیث پر عمل کر رہے ہیں، جب تم نماز پڑھو تو ایسے پڑھو جیسے تم زندگی کی آخری نماز پڑھ رہے ہو۔ میں نے نماز میں اتنا انہماک بہت کم دیکھا ہے۔ غوری صاحب جتنا بھی ضروری کام کر رہے ہوں، نماز اور جماعت کے معاملے میں انھیں کبھی سستی کرتے نہیں دیکھا۔

غوری صاحب نے جب یہ دیکھا کہ کتاب کا مصنف کمپیوٹر پر اپنی کتاب خود ہی کمپوز کر سکتا ہے اور اسے ہاتھ سے لکھ کر ٹائپسٹ سے ٹائپ کروا کے پروف ریڈنگ کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں، تو انھوں نے اُس عمر میں کمپیوٹر پر کام کرنا اور ریسرچ کرنا سیکھا، جبکہ لوگ بالعموم اس طرح کی مشقت میں اپنے آپ کو ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ انھوں نے ٹائپنگ سیکھی، کتاب کی کمپوزنگ کے متعلق دیگر ضروری معلومات سیکھیں اور ہمیشہ اپنی کتابوں کو بہترین فارمیٹ میں تیار کر کے پرنٹ کرایا۔

جب سے ہم نے غوری صاحب کو دیکھا، وہ عمر رسیدہ ہونے کے باعث یا بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باعث اپنے علاج معالجے کے بارے میں فکر مند رہے، دل کی بیماری جو بالآخر ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی، اس کا وہ مردانہ وار مقابلہ ساری عمر کرتے رہے، دو دہائیوں سے تو انھیں اس معرکۂ مرض وعلاج میں کامیاب ہوتے ہوئے ہم خود دیکھ رہے ہیں۔ وہ بڑی ذمہ داری سے دوا کھاتے اور کسی قسم کی بدپرہیزی نہ کرتے اور بیماری کو اپنے سے دور ہی رو کے رکھتے تھے۔

غوری صاحب کبھی کبھار اپنے بچپن کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے کہ کیسے وہ ہجرت کر کے پاکستان پہنچے اور غالباً جھنگ میں ان کے والد آ کر قیام پذیر ہوئے۔ وہیں غوری صاحب کی اسکول کی تعلیم مکمل ہوئی، بتاتے ہیں کہ

اس وقت غربت کا یہ عالم تھا کہ پاؤں میں پہننے کے لیے جوتا بھی میسر نہ تھا، گرمیوں کی کڑکتی دھوپ میں اسکول سے واپس آتے ہوئے پاؤں تپش سے جل رہے ہوتے تھے اور وہ سڑک پر اپنے لیے چھاؤں تلاش کرتے، پھر اس چھاؤں میں کھڑے ہو کر دیکھتے کہ اگلا درخت یا چھاؤں کی کوئی چیز کہاں ہے، پھر ننگے پاؤں بھاگ کر اس تک پہنچ جاتے اور اگلا سایہ تلاش کرتے۔

غوری صاحب کی خواہش تھی کہ میں اپنے پیچھے کوئی اپنا علمی وارث چھوڑ جاؤں جو تقابل ادیان کے حوالے سے میرے افکار کو آگے لے کر چلے۔ جب ان کا بیٹا ڈاکٹر احسان غوری علمی میدان میں داخل ہوا اور اس نے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی میں انھی کی علمی لائن کو اختیار کیا تو یہ بات ان کے لیے بے حد اطمینان کا باعث بنی۔

محترم غوری صاحب کے ساتھ مل کر کام کرنے کا اتفاق اس وقت ہوا، جب اللہ تعالیٰ کے اسماے حسنیٰ پر ایک کتاب جو سید سلیمان سلمان منصور پوری صاحب کی تالیف تھی، اس کے انگریزی ترجمے کے سلسلے میں مؤلف کے نواسے قاضی معز الدین نے غوری صاحب سے رابطہ کیا۔ وہ اس کتاب کا کہیں سے ترجمہ کرا کے لائے تھے جو بہت سادہ اور سطحی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ قاضی صاحب کی خواہش تھی غوری صاحب اس کی زبان میں اصلاح کر دیں، غوری صاحب کا کہنا تھا: اس ترجمہ میں اتنی کمیاں اور غلطیاں ہیں کہ اس کی اصلاح سے بہتر ہے انسان خود کتاب کا نیا ترجمہ کر لے۔ پھر ہفتوں، بلکہ مہینوں اس پر کام کرتے رہے اور اسے بہترین شکل میں طباعت کے لیے تیار کیا، اس دوران غوری صاحب نے میری یہ ذمہ داری لگائی کہ کتاب میں مذکور جتنی احادیث ہیں، ان کے اصل متن تلاش کر کے حوالے کے ساتھ شامل کروں۔ اللہ کا شکر ہے، میں اس بھاری ذمہ داری سے بخوبی عہدہ برآ ہو گیا۔

جب ہم علم رجال کی کتابیں پڑھتے ہیں تو علمی خدمت کرنے والے بڑے لوگوں کے حوالے سے وہاں ایک جملہ اکثر لکھا ہوا ملتا ہے کہ وہ صاحب اپنے بعد ایک ایسا خلا چھوڑ گئے ہیں جسے پُر کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ میں جب بھی غوری صاحب کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے ان کے بارے میں بالکل یہی احساس ہوتا ہے کہ کوئی بھی ان کی کمی کو پورا نہیں کر سکتا۔

جب ان کے جنازے کے لیے گئے اور ان کی میت کو دیکھنے کا موقع ملا، کیا اطمینان کی نیند سو رہے تھے۔ ان کو دیکھنے والے کو یہی احساس ہو رہا تھا کہ اے نفس مطمئنہ، اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ وہ تجھ سے راضی ہے اور تو اس سے۔

أللّٰهم اغفر له وارحمه وأدخله فسيح جناتك. أللّٰهم لا تحرمنا أجره، ولا تفتنا بعده، واجعل

الجنة دار قرارہ۔

—— محمد سمیع مفتی
(سابق استاد، المورد)

آہ! عبدالستار غوری مرحوم

ذرہ ذرہ دہر کا زندانیِ تقدیر ہے
پردۂ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے

اس کائنات کو دیکھنے کے دوطریقے ہیں: ایک حیوانی اور دوسرا انسانی۔ کان اور آنکھیں تو حیوانات کے پاس بھی ہیں، لیکن ان کے کان انھیں سمیع نہیں بناتے اور ان کی آنکھیں انھیں بصیر نہیں بناتیں۔ دوربینیں اور خوردبینیں جو فائدہ انسان کو دیتی ہیں، وہی فائدہ حیوانات کو بھی دیتی ہیں۔ انھیں بھی دور کی چیزیں قریب اور چھوٹی چیزیں بڑی نظر آتی ہیں۔ بے شک، مختلف آلات کی ایجاد نے انسانی حواس کی قوتوں کو بہت بڑھا دیا ہے، لیکن افسوس کہ بصارت کے بڑھنے سے بصیرت کی نفی ہوئی اور سماعت کی ترقی سے سمعیت کی نفی ہوئی۔

ہمارے دوستوں، احباب، رشتہ داروں، اساتذہ اور دوسرے متعلقین کی وفات ہمارے لیے خدا کے ان تازیانوں میں سے ہے، جو ہمیں خواب غفلت سے بیدار کرتے، حق اور حقیقت کی طرف متوجہ کرتے، زندگی کو کھیل کود سے ہٹاتے، ذمہ داریوں کا احساس دلاتے اور سنجیدہ رویوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ تب انسان کی آنکھ اس کے اپنے وجود میں چھپے ہوئے حقائق کو بھی دیکھتی اور کائنات کی دکھائی دینے والی چیزوں کے پیچھے چھپی ہوئی سچائیوں کو بھی دیکھنے لگتی ہے۔ تب اس کے کان زبان سے بولے گئے لفظوں ہی کو نہیں، بلکہ دل سے اٹھتی ہوئی صداؤں کو بھی سننے لگتے ہیں۔

جناب عبدالستار غوری مرحوم نے اگست ۱۹۹۶ء میں ''المورد'' کی ملازمت اختیار کی تھی۔ اس طرح ہماری اور ان کی رفاقت تقریباً ۱۵ برس کی رہی ہے۔ اس سارے عرصے میں ہم نے انھیں ایک بہت ہی شفیق دوست، ہمدرد اور اپنے سبھی ساتھیوں کا خیر خواہ پایا۔ ''المورد'' کے دفتری اوقات میں تقریباً ۱۱ بجے چائے کا وقفہ ہوا کرتا تھا، غوری صاحب کی خواہش ہوا کرتی تھی کہ سارے ساتھی ان کے کمرے میں آکر ان کے ساتھ چائے پئیں اور اس کے لیے وہ اپنی طرف سے کچھ اضافی اہتمام بھی کیا کرتے تھے۔ پھر وہاں علمی گفتگوئیں بھی ہوتیں اور اپنی اپنی مشکلات اور الجھنیں بھی زیر بحث آتیں۔ ہر ایک کے ساتھ محبت ہر ایک کو welcome کرنا، یہ ان کا شیوہ تھا۔

مجھے یاد ہے کہ ہماری family میں ایک وفات ہوئی تھی تو ہم نے نصیحت کی عمومی گفتگو اور دعاے مغفرت کے لیے انھیں بلایا تھا۔ وہ نصیحت کی گفتگو اور دعائیں بہت دردمندی اور بڑی محبت سے کیا کرتے تھے۔ اس مجلس میں ہم نے ان کی شخصیت کے اسی پہلو کو بہت نمایاں دیکھا۔ وہاں انھوں نے جس احساس اور جس رقت کے ساتھ دعاے مغفرت کی، وہ بتا رہا تھا کہ وہ خدا پر کیسا یقین، اس کے ساتھ کیسا گہرا تعلق رکھتے اور انسانوں کے ساتھ کیسی محبت اور کتنی شفقت رکھتے ہیں۔

انھوں نے اپنے لیے جس علمی کام کا انتخاب کیا تھا، وہ مذہب کے ساتھ ان کی گہری وابستگی کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ وہ یہود و نصاریٰ پر امین و صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچائی ظاہر کریں، چنانچہ اس کے لیے انھوں نے سابقہ کتب سماوی میں موجود پیش گوئیوں پر کام کیا، ان کے استدلال کو واضح کیا اور اس حوالے سے جو باطل تصورات موجود تھے، انھیں رد کیا۔ یہ ان کا زندگی بھر کا مشن تھا اور اسی میں انھوں نے اپنی عمر عزیز بسر کی۔ امید ہے کہ اب وہ اسی کی محفل میں بیٹھے ہوں گے جس کی وکالت کرتے کرتے وہ دنیا سے چلے گئے۔

ہماری دعا ہے کہ خدا ان کی مغفرت کرے۔ بے شک، وہ خدا کے پسندیدہ کام میں جیے اور اسی کام میں انھوں نے وفات پائی۔

—— محمد رفیع مفتی
(فیلو، المورد)

مجسم بزرگ اور خالص انسان

''المورد'' کے حلقۂ علما کے پہلے عالم رخصت ہوئے۔ ''بے شک ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔''

علامہ عبدالستار غوری صاحب سے میرے تعلق کی سرحد ایک ملاقات سے زیادہ طویل نہیں —— ان کے کام سے تعارف تو پہلے سے تھا، لیکن ''المورد'' لاہور کی عمارت میں جب انھیں پہلی بار دیکھا تو ان کے اندر بہت دور تک دکھائی دیتا تھا، مجسم بزرگ اور خالص انسان ——۔

خالص انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے شفاف ہوتا ہے، اس کی فطرت اس چشم صافی کے مانند ہوتی ہے جس کا ہر ہر قطرۂ آب منزہ و چمک دار اور اس کا خارج باطن کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اس کے دامن میں کسی غلطی کا داغ نہیں آ سکتا، لیکن وہ داغ وجود کا حصہ بن کر گم ہو جائے، فطرت کی تابندہ ردا اس امکان کو زیادہ دیر قائم نہیں رکھ سکتی۔

غوری صاحب کے درون تک رسائی میں کوئی چیز مزاحم نہ تھی۔ وہ لاریب، بزرگی اور اخلاص کا استعارہ تھے۔ الہامی صحائف ان کی علمی تحقیق کا موضوع بنے۔ اسی حوالے سے میں نے کچھ طالب علمانہ سوالات ان کے سامنے رکھے اور اس روایت پر ان کی رائے جاننا چاہی جس میں حضور نے سیدنا عمر کے ہاتھ میں تورات کا ٹکڑا دیکھ کرنا گواری کا اظہار کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے اور اس کی کوئی توجیہ بھی نہیں ہوسکتی، کیونکہ جس کتاب کے بارے میں قرآن حکیم میں کہا گیا ہو: 'فِیْهِ هُدًی وَّ نُوْرٌ'، تو کیسے مانا جا سکتا ہے کہ اس کو پڑھنے پر ناگواری کا احساس ہو، جبکہ اس کے برعکس خود حضور سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے عبداللہ بن سلام کو تورات پڑھنے کی اجازت دی اور کہا: 'إقرأ هذا لیلة و هذا لیلة'۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر کے تورات سے تعلق کو بیان کیا۔ وہ بتانے لگے کہ مسلمانوں کے علمی ٹریڈیشن میں اس کے مطالعے کی تاریخ رہی ہے۔ ابن سعد کے حوالے سے کہا: ایک مشہور تابعی بزرگ ابوالجلا الجونی تو ہفتے میں قرآن کے ساتھ تورات کا بھی ختم کیا کرتے تھے، لیکن آج کل دین کے طالب علم اس لٹریچر کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے جس کو بطور دلیل خود قرآن نے پیش کیا ہے۔ یہود کے حوالے سے یہ کہ سیدنا عزیر کو وہ تو خدا کا بیٹا نہیں کہتے، جبکہ قرآن نے یہ بات یہود کے حوالے سے کہی ہے، تو ان کا کہنا تھا کہ مدینے میں آباد یہودی بہت عرصے پہلے بنی اسرائیل سے الگ ہو گئے تھے، یہ ٹھیک ہے کہ بنی اسرائیل میں اصلاً یہ عقیدہ نہیں تھا، لیکن مدینے میں آباد یہودی قبائل ہی کا یہ عقیدہ تھا، اور قرآن نے انھی کو مخاطب کیا ہے۔

غوری صاحب نے اس تحقیق کے علمی پہلو بھی واضح کیے کہ بائیبل میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے جو پیشین گوئی بیان ہوئی ہے، اس کا مصداق سیدنا مسیح نہیں، بلکہ یہ پیشین گوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوش خبری ہے، اور ان کی یہ تحقیق اہل کتاب سے دعوت کا عنوان بن سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک بلند پایہ محقق تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے اس کام کے طفیل، انھیں بھی جنت کی خوش خبری سنا دے۔ آمین۔

—— محمد حسن الیاس

(اسسٹنٹ فیلو، المورد)

عبدالستار غوری

جب سے استاذ عبدالستار غوری کی وفات کا سنا ہے، میرے کانوں میں 'شاہ پاکستان' اور 'شاہ اسلام' کے الفاظ گونج

رہے ہیں اور افسوس ہو رہا ہے کہ اب یہ الفاظ اس پیار کے ساتھ سننے کو پھر نہ ملیں گے۔ غوری صاحب کا یہ پیار تھا کہ جب بھی وہ مجھے دیکھتے تو والہانہ انداز میں ''شاہ پاکستان'' اور ''شاہ اسلام'' کہہ کر مصافحہ کرتے، حالاں کہ وہ اگر ہمارا سلام ہی قبول کر لیا کرتے تو یہ بھی بہت تھا۔

غوری صاحب سے تعارف تو ایک استاد کی حیثیت سے ہوا تھا، وہ ''المورد'' میں ہم سے جونیر کلاس کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے، لیکن بعد کے سالوں میں وہ مجھے چھوٹے بھائی سا 'پروٹوکول' دینے لگے اور جب میں نے ماہنامہ ''سوئے حرم'' کا آغاز کیا تو انھوں نے نہ صرف اس کو بہت سراہا، بلکہ باقاعدہ اس کا مطالعہ بھی کرتے اور بعض اوقات اس کی بہتری کے لیے تجاویز بھی ارشاد فرماتے۔

غوری صاحب کی زندگی ایک بامقصد زندگی کی بہترین مثال ہے۔ ان کے ماضی سے تو میں آگاہ نہیں، لیکن جو دس بارہ برس ان سے تعلق رہا، اس کے بارے میں، میں یقیناً گواہ ہوں کہ انھوں نے اپنا سارا وقت اور ساری صلاحیتیں بائیبل اور مسیحیت کی تحقیق پر صرف کر رکھی تھیں۔ ان سے قبل میرا مسیحیت کے بارے میں علم رانا محمد اسلم مرحوم کی روایات پر ہی موقوف تھا۔ رانا صاحب نے بھی رد مسیحیت اور تحقیق بائیبل کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا تھا اور باوجود اپنی مفلوک الحالی کے دن رات اس میں مگن رہتے تھے۔ باقاعدگی سے اپنا رسالہ ''المذاہب'' ہمیں عطا فرماتے اور شاہدرہ سے جب بھی مال روڈ کی طرف آتے تو سٹیٹ بنک میں ہم سے ملے بغیر نہ جاتے۔ لیکن غوری صاحب سے ملنے کے بعد رانا مرحوم کی تحقیقات بہت پیچھے نظر آنے لگیں۔

باوجود علمی مصروفیات اور لگن کے غوری صاحب اُس علمی زعم اور عُجب سے بالکل پاک تھے جس میں اکثر علما مبتلا نظر آتے ہیں۔ سادگی اور شگفتگی ان کے مزاج کا حصہ تھی، اس لیے مجھ سے 'چھوٹے' بھی ان سے بلا جھجک مل لیا کرتے تھے اور وہ بھی کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ ان کی زندگی تصنع اور بناوٹ سے بھی پاک تھی۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ ان کا ظاہر اور باطن ایک ہے اور یہ خوبی شاید ہزار علمی خوبیوں پہ بھاری ہے۔

غوری صاحب کے نماز پڑھانے کا انداز بہت خوب صورت تھا۔ ''المورد'' میں بہت سی نمازیں ان کی امامت میں پڑھنے کا موقع ملا۔ میں ان کا مقتدی بن کر کوئی جنازہ تو نہ پڑھ سکا، لیکن ایک دوست کہا کرتے تھے کہ اگر اُن کا انتقال ہو جائے تو جنازہ غوری صاحب پڑھائیں، کیونکہ وہ بہت اہتمام اور خشوع سے جنازے کی نماز پڑھاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اللہ کریم نے ان پر بڑا اکرم فرمایا کہ وہ جو تحقیق یا کام کرنا چاہ رہے تھے، اسے اپنی زندگی ہی میں بہت حد تک پایۂ تکمیل تک پہنچا گئے۔ باقی کام امید ہے کہ ان کا صاحب زادہ مکمل کر لے گا۔ اور جس طرح زندگی میں

اللہ کا ان پر کرم رہا، امید ہے کہ آخرت میں بھی ان پر اس سے بھی بڑھ کر کرم ہوا ہوگا، اور یقیناً فرشتوں نے ان کی روح کو 'ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً' کہہ کر رب کے حضور پیش کیا ہوگا۔ اللہ ان کے درجات کو مزید بلند فرمائے اور ان خطاؤں سے درگذر فرمائے۔ آمین۔

وہ مسلکاً اہل حدیث، لیکن مشرباً صوفی تھے اور یہاں صوفی سے میری مراد تعصب اور نفرت سے پاک ہونا اور دوسروں کی بھلائی پیش نظر رکھنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کے منتشر عالم اسلام کو تصوف کے عقائد تو نہیں، البتہ تصوف کی بعض معاشرتی اور اخلاقی روایات اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے ایک فلسطینی دوست کہا کرتے ہیں کہ آج کے عالم اسلام میں حنفی، شافعی، مالکی وغیرہ سے آگے بڑھ کر سلفی (جہادی)، تبلیغی اور صوفی کی واضح تقسیم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ مجھے ان کی بات سے بہت حد تک اتفاق ہے، لیکن میری خواہش ہے کہ عالم اسلام میں اگر یہ تقسیم ہونا مستقبل میں مقدر ہے تو پھر صوفیت کا پلہ بھاری رہے، لیکن کون سے صوفی؟ وہ جو غوری صاحب جیسے ہوں اور یا پھر شہزاد سلیم سے۔ ایک پتلون میں اور ایک لمبی ڈاڑھی اور اپنے روایتی رومال میں۔ کہ 'پتلون' اور 'رومال' کا یہ ملاپ اور محبت ہی ہمارے بہت سے مسائل کا حل ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ـــــ محمد صدیق بخاری

(مدیر، ماہنامہ سوئے حرم)

ہمارے غوری صاحب

روزمرہ زندگی کے عموماً ادنیٰ تقاضوں کے باعث، بے برکتی کے اس دور میں، ہم کتنی ہی دل پسند اور لائق ترجیح مصروفیات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ غوری صاحب کی وفات پر فوری احساس یہی ہوا کہ ان جیسا عظیم صاحب علم اور غالباً اتنا ہی عظیم اور محبت بھرا انسان برسوں ہمارے درمیان رہا، لیکن، اپنی حد تک، میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ان کی اعلیٰ اور پاکیزہ صحبت سے بہت کچھ استفادہ نہ کر سکا۔

ان کی دل آویز شخصیت کا ایک رخ ان کی نرم گفتاری، رقیق القلبی، انسان دوستی اور ہمیشہ یاد رہنے والی مہمان نوازی ہے۔ مثال کے طور پر وہ کسی روز، بغیر کسی خاص وجہ کے ''المورد'' کے سب چھوٹوں بڑوں کو خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھلاتے اور فرداً فرداً اپنی شگفتہ مسکراہٹ سے دل جوئی فرماتے۔

ان کی شخصیت کا اس سے بڑھ کر رخ ایک سچے طالب علم اور محقق کا تھا۔ اپنی تمام بزرگی اور تبحر علمی کے ساتھ

ادارے کے علمی مذاکروں میں ہم جیسے عام طلبا سے ہم نشین ہوتے اور دوسری طرف اپنی تحقیقات پیش کرتے ہوئے سنجیدگی اوراعلیٰ ترین علمی معیار کو برقرار رکھتے۔ یہی نہیں، بلکہ ایک کھرے داعی حق کی طرح اپنے دریافت کردہ سچ کو دنیا تک پہنچانے کے لیے ـــــ جو اکثر تحقیقی مزاج کا حصہ نہیں ہوتا ـــــ وہ ایک غیر معمولی تڑپ بھی رکھتے تھے۔ مشکلات کے باوجود خود اپنے وسائل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیوں کے علم کو دیگر مما لک بالخصوص مسیحی برادری تک پہنچانے کے لیے انھوں نے بے پناہ سعی کی۔

پروردگار عالم سے توقع ہے کہ اپنی بے پایاں رحمت وشفقت سے وہ اس پیکر علم واخلاق کو اپنے ہاں ضرور اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔

ـــــ ڈاکٹر منیر احمد
(رکن ''المورد'' بورڈ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہمارے غوری صاحب!

غوری صاحب سے میرا تعلق اسی وقت قائم ہو گیا، جب وہ ''المورد'' سے وابستہ ہوئے۔ ہمارے غوری صاحب تھے ہی ایسے کہ پہلی ہی ملاقات میں ان سے گہرا تعلق بن جاتا تھا۔ شروع شروع میں ان سے تکلف تھا، مگر چند دنوں ہی میں قربت اور بے تکلفی ہو گئی۔ یہ قربت اور بے تکلفی رفتہ رفتہ پدرانہ شفقت میں تبدیل ہو گئی اور پھر وہ وقت بھی آیا جب مجھے ان کے گھر میں رہنے کا موقع ملا۔ میرا معمول تھا کہ میں شام کو دفتر سے چھٹی کے بعد بی سی ایس کی کلاسیں لینے کے لیے ایک کالج میں جاتا تھا اور پھر وہاں سے فارغ ہو کر گھر کے لیے روانہ ہوتا تھا۔ گھر بہت دور تھا، اس لیے پہنچتے پہنچتے اکثر رات ہو جاتی تھی۔ جب غوری صاحب کے سامنے یہ صورت حال آئی تو انھوں نے بڑی محبت سے مجھے اپنے گھر رہنے کی پیشکش کی۔ پیشکش پرخلوص تھی اور میں مشکل میں تھا، اس لیے میں نے اسے فوراً قبول کر لیا اور اگلے ہی دن ان کے ہاں منتقل ہو گیا۔ میں وہاں کئی مہینے رہا۔ کسی ایک بھی دن ایسا محسوس نہیں ہوا کہ میں اپنے گھر میں نہیں ہوں۔ میری ضرورت تو صرف رہایش تھی، مگر غوری صاحب کی شفقت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ میں کھانا بھی ان کے ہاں کھاؤں۔

وہ وقت آج بھی میری یادوں کا حسین ترین سرمایہ ہے۔ ان دنوں، غوری صاحب کی رہایش ای بلاک دفتر کے بالکل ساتھ تھی۔ یہ چار کمروں کا گھر تھا، دو کمرے نیچے اور دو اوپر تھے۔ نیچے کے ایک کمرے میں ان کی لائبریری تھی،

اور دوسرا کمرا ان کا اور ماں جی کا تھا، جبکہ اوپر کے دونوں کمرے ان کے بیٹوں عثمان، احسان اور ذیشان کے استعمال میں تھے۔ میں بچوں کے ساتھ اوپر کے حصے میں رہتا تھا۔ احسان کے ساتھ زیادہ تر علمی گفتگو ہوتی، عثمان کے ساتھ لڈو کی بازیاں لگتیں اور ذیشان کے ساتھ عشا کے بعد ڈی بلاک کی واک ہوتی۔ ہم عمر اور بے پناہ بے تکلف ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی ہمارا جھگڑا بھی ہو جاتا تھا۔ بول چال بھی بند ہو جاتی کہ ایک دوسرے کے لطیفوں پر ہنسنا چھوڑ دیتے تھے۔ یہ کیفیت دو چار دن جاری رہتی کہ پھر سیڑھیاں چڑھتے اترتے راستہ نہ دینے پر یا کندھا ٹکرا جانے پر نہ صرف اس وقت ہنس پڑتے، بلکہ جن لطیفوں پر ہنسی روکی گئی ہوتی، ان پر بھی دل کھول کر ہنستے۔ ہماری لڑائیوں اور جملہ بازیوں پر نہ کبھی غوری صاحب نے ناراضی کا اظہار کیا اور نہ ماں جی نے۔ سچی بات ہے کہ غوری صاحب اور ماں جی کی شفقت اور عثمان، احسان اور ذیشان کی برادرانہ دوستی میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

غوری صاحب طبعاً بہت حساس تھے۔ ماں جی کی اچانک وفات سے غوری صاحب کو گہرا صدمہ ہوا تھا۔ بہت عرصہ تک وہ اس صدمے کی کیفیت میں رہے۔ ماں جی کا ذکر شروع کرتے تو بہت دیر تک ان کی باتیں بتاتے۔ واقعات سناتے جاتے اور وقفے وقفے سے مجھے کہتے: ''معظم تیری آنٹی نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ مجھے اکیلا چھوڑ گئی۔'' ایک بار میں نے جنت میں ستر حوروں کے حوالے سے سوال کیا تو کہنے لگے کہ ایک تحقیق یہ ہے کہ وہ ستر حوریں اصل میں بیوی ہی کے ستر روپ ہوں گے۔ جس بیوی نے ہمارے ساتھ وقت گزارا ہوتا ہے تو مختلف وقتوں میں اس کے مختلف روپ سامنے آتے ہیں اور اس کے بہت سے روپ آپ کو اچھے لگتے ہیں، لہٰذا جنت میں اس کے بہت سارے روپ بہ یک وقت مل جائیں گے۔ بعد میں کہنے لگے: پتا نہیں یہ تحقیق صحیح ہے یا نہیں، لیکن میری خواہش ہے کہ مجھے اپنی ہی بیوی کے ستر روپ مل جائیں۔

میں ایک دن دفتر میں چھٹی کے بعد بیٹھا کام کر رہا تھا کہ مجھے دیکھ کر اندر آ گئے۔ کچھ دیر باتیں ہوئیں، نکلتے ہوئے میں نے کہا کہ بڑا عرصہ ہوا آپ نے اپنی پسند کا کوئی گانا نہیں سنایا۔ انھوں نے پنجابی کا ایک گیت گنگنانا شروع کیا۔ میں اپنے کیبن سے چابیاں اٹھانے گیا تو وہ ایک مصرعے کے بعد خاموش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید میرے انتظار میں روک دیا۔ میں جلدی سے باہر آیا تو دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہیں جنھیں ضبط کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں پریشان ہو گیا تو کہنے لگے کہ یہ گانا میرے حسب حال ہے۔ اس میں بھی محبوب بے وفائی کر کے چھوڑ گیا۔ پھر بہت دیر تک ماں جی کی باتیں سناتے رہے۔

جب میری شادی ہوئی تو میں لنچ بریک میں غوری صاحب کے کمرے میں چلا جاتا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ زور سے

نعرہ لگاتے: ''نوم العروس'' (دولھے کی نیند) اور مجھے تھوڑی دیر ستانے کے لیے تکیہ نما کشن دے دیتے۔ جتنے دن یہ سلسلہ رہا، غوری صاحب شادی شدہ زندگی پر زبردست لطیفے سناتے اور ساتھ میں نمکو، بسکٹ یا ڈرائی فروٹ سے تواضع کرتے۔

چھٹی کے بعد میں اکثر ان کے کمرے میں چلا جاتا۔ وہ اگر کام کر رہے ہوتے تو مجھے کوئی کتاب دے کر کہتے کہ اس کو پڑھو اور مجھے بھی بتانا کہ اس میں کیا ہے۔ اگر آرام کر رہے ہوتے تو اپنے علمی کام، کسی نئی تحقیق، اپنی کسی کتاب یا اس پر شائع ہونے والے کسی تبصرے کے بارے میں بتاتے۔

بعض موقعوں پر میں نے ''اشراق'' کے لیے مضمون لکھے۔ انھیں شائع ہونے سے پہلے میں غوری صاحب کو ضرور دکھاتا۔ وہ بہت توجہ سے پڑھتے۔ نفس مضمون پر بھی تبصرہ کرتے اور جملوں کی ساخت اور پروف کی غلطیوں کی بھی نشان دہی کرتے اور فن تحریر کی خوبیوں اور خامیوں کے حوالے سے بھی سمجھاتے۔

انھوں نے میرے بڑے بیٹے کا نام ''محمد'' رکھا، جس کے ساتھ میں نے ''معز'' کا اضافہ کیا، کیونکہ فیملی کے بعض لوگ تقدس کی وجہ سے محمد کا نام پکارنے میں مشکل محسوس کر رہے تھے۔ اولاد کی اچھی تربیت کے حوالے سے ایک بار میں نے ان سے پوچھا تو کہنے لگے: جو رویہ ان سے چاہتے ہو، خود ان کو کر کے دکھاؤ۔ غلط کام پر ڈانٹ کے معاملے میں کوئی لحاظ نہ رکھو اور اگر ان کی ماں ان پر غصہ ہو تو انھیں توجہ دلاؤ کہ تم نے کیا غلط کام کیا جس کی وجہ سے وہ ناراض ہیں۔

غوری صاحب مجھ سے جس قدر محبت کرتے، اسی قدر اعتماد بھی کرتے تھے۔ ایک بار ذیشان کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے باہر چلا گیا، غوری صاحب تیزی سے اوپر آئے اور مجھ سے کہا کہ اسے بلا کر لاؤ اور سمجھاؤ۔ اسی طرح ایک بار غوری صاحب اور ماں جی کو کہیں جانا تھا، ان دنوں آپ کا ۱۰ سال کا پوتا سعد ان کے پاس رہتا تھا۔ غوری صاحب نے اس خیال سے کہ سفر دور کا ہے اور سعد تھک جائے گا اور گھر میں اس کو کھانے کی تنگی ہو گی، انھوں نے مجھ سے کہا کہ اسے چند دن کے لیے اپنے گھر لے جاؤ۔

غوری صاحب بیک وقت میرے استاد بھی تھے، بے تکلف دوست بھی تھے اور میری خیر خواہی اور خیال رکھنے میں باپ کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ''المورد'' کے تمام لوگوں کے ساتھ ان کا ایسا ہی تعلق تھا۔ وہ سب کے خیر خواہ، بے تکلف دوست، گرم جوش میزبان اور بے لوث مددگار تھے۔

میں نے انھیں طویل عرصہ تک دیکھا ہے اور بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ بہت اصول پسند، محبت کرنے والے، صالح طبیعت اور بنیادی طور پر نیک انسان تھے۔ ان میں خامیاں بھی ہوں گی، کمزوریاں بھی ہوں گی اور ان

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

سے جانے انجانے میں زیادتیاں بھی ہوئی ہوں گی، میں اللہ سے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کی معافی کا خواست گار ہوں اور جنت میں ان کے لیے اعلیٰ مقام کے لیے دعا گو ہوں۔

—— رانا معظم صفدر

(سابق معاون مدیر، ماہنامہ اشراق)

غوری صاحب: انسانوں میں عظیم انسان

مجھے شہزاد نے کئی مرتبہ کہا کہ میں غوری صاحب کے لیے کچھ لکھوں، مگر مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ میں ان کے لیے کیا نئی بات لکھوں۔ ان کا ظاہر اور باطن ہر اس شخص پر واضح ہے جو ان سے مل چکا ہے۔ غوری صاحب کے نورانی چمکتے چہرے اور دھیمی آواز اور لہجے میں محبت وشفقت، مجھے ہر مرتبہ اس چیز کا احساس دلاتی کہ اگر دنیا میں فرشتے چلتے پھرتے ہوتے تو شاید وہ غوری صاحب جیسے ہوتے۔ ان کی علمی حیثیت کیا تھی؟ اس کا علم تو اسی وقت ہو جاتا جب ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی چاروں طرف الماریوں میں پڑی کتابوں پر نظر پڑتی۔ مجھے زندگی میں بہت سے ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جن کے پاس شاید بہت علم ہوگا، لیکن ایک علمی آدمی میں اس قدر تحمل اور محبت شاید میں نے غوری صاحب ہی میں دیکھی۔ اپنے سے چھوٹے سے اس قدر محبت سے ملتے کہ یوں محسوس ہوتا کہ ان کا پیکر محبت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں جو دوسروں کے مسائل کو اپنے مسائل بنا لیتے ہوں۔ میں نے ایک مرتبہ ان سے درخواست کی کہ میرے بیٹے ابراہیم کے لیے دعا کیا کریں۔ کچھ عرصے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھے بتایا کہ انھوں نے تہجد میں ابراہیم کے لیے دعا کرنے کو اپنا معمول بنا لیا ہے۔

سن رکھا ہے کہ مہمان نوازی پیغمبروں کا شیوہ ہے اور یہ عادت غوری صاحب میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ اکثر ہمیں یہ پیغام موصول ہوتا کہ آج دوپہر کا کھانا غوری صاحب کی طرف سے ہے اور پھر قورمے کی دیگ کا سالن اور نان اور سلاد اور ساتھ ہی کسی نہ کسی میٹھے سے نہ صرف ''المورد''، بلکہ باہر کے لوگوں کو اس دعوت پر بلا کر ان کی تواضع کی جاتی۔

ان کا علم خاص طور پر عیسائیت پر ان کی تحقیق ہم طالب علموں کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ کاش، ہم ان کی تحریروں اور تحقیق سے استفادے کا حق ادا کر سکیں۔ کبھی کبھی طبیعت کی خرابی کا ان سے ذکر کیا جاتا تو وہ ہومیو پیتھک دوا بھی تجویز کر دیتے۔ مجھے ان کے پاس بیٹھ کر اور ان کی باتیں سن کر ہمیشہ یہ احساس ہوتا کہ جیسے کہیں ایک گھنے سایہ دار درخت کے سایے میں بیٹھی ہوں۔ وہ سبھی کے لیے ایسے تھے۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

عبدالستار غوری صاحب کے اس دنیا سے جانے کا دکھ تو بہت ہے، لیکن اطمینان بھی ہے کہ وہ اس خاص مقام پر پہنچ گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھی کے لیے بنایا ہوگا۔ پرسکون اور دنیا کی ظلمتوں سے دور نعمت بھرے مقام پر۔

اے اللہ، تو ان کی خطاؤں کو پانی سے، اولوں سے اور برف سے دھو دے اور انھیں گناہوں سے ایسے صاف کر دے، جیسے سفید اجلا کپڑا۔ آمین

—— کوکب شہزاد

(اسسٹنٹ فیلو، المورد)

یادوں کے جھروکے

صبح طلوع ہوئی تو معمولات شروع ہو گئے، نماز، تلاوت، چائے، لیکن معمولات میں نہ وہ شگفتگی تھی، نہ وہ تازگی، نہ جوش تھا، نہ حرارت، جو اکثر اوقات ہوا کرتی ہے۔ کھڑکی سے پردہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان، سورج، موسم ہر چیز معمول کے مطابق تھی۔ سوچوں کے سمندر میں یہ سوال گردش کرنے لگا کہ طبیعت میں اضطراب کیسا؟ وہم سمجھ کر سب جھٹک دیا، مزاج کی خبر لی تو ابھی کتاب اٹھانے کو روک رہا تھا، گھر والدہ محترمہ کو کال کرنے کے لیے جی نہیں چاہ رہا تھا۔ ایسی صورت حال اکثر مزاج کے ساتھ پیش آ ہی جایا کرتی ہے، لیکن آج لیپ ٹاپ کی طرف بڑی بے دلی کے ساتھ ہاتھ بڑھایا۔ آن کیا، فیس بک آن تھی، تو محترم آصف افتخار کا میسج تھا اور ایک ہولناک خبر بھی، عبدالستار غوری اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کچھ ایسی خبر کہ کان سن ہو گئے، آنکھیں نم ہو گئیں، دل پسیج گیا اور دماغ ماضی کے اوراق پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ سراپا شفیق انسان اس دنیا سے رخصت ہو گئے، میرے استاد، میرے مہربان، ان کی شفقتوں کے بیان کے لیے الفاظ ڈھونڈنے پڑیں گے، بادصابن کر ان کی شخصیت نے میرے وجود کا احاطہ کر لیا۔

ان کی علمی شخصیت کے احاطے کے لیے تو کئی صفحات درکار ہوں گے، زمانے پر ان کے کام کے انداز اب کھلیں گے، واقعی ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ موت العالم موت العالم۔ میں نے ان سے انگریزی اور فارسی سیکھی اور پڑھی، ان کا اسلوب بڑا ہی دل کش اور دل کو بھا جانے والا ہوا کرتا تھا۔ وہ زبان، تاریخ اور ان گنت علوم وفنون کی معرفت رکھتے تھے۔ وہ سبق کے دوران میں ان سب سے روشناس کرایا کرتے تھے، بولتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے آب شار —— تلفظ کی ادائیگی میں خوبصورتی —— سادہ سی بات میں معلومات کا سمندر۔

وہ کس طرح کے انسان تھے؟ ایک دو واقعات ہی سے اندازہ ہو جائے گا۔ ایک دن باتوں باتوں میں بتا رہے تھے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کہ وہ ایک اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہوا کرتے تھے اور اسکول میں ایک ملازم نے ان کے خلاف درخواست دے دی اور غوری صاحب کو پولیس پکڑ کر لے گئی اور وہ جیل چلے گئے۔ کچھ دن کے بعد سزا کاٹنے کے بعد رہا ہو کر سیدھے اس شخص کے گھر گئے، اور اسے کچھ نہ کہا اور ادھر ادھر کی گپ شپ کرتے رہے، وہ بے چارہ شرمندہ ہو کر رہ گیا، غوری صاحب نے اس کو کہا: چھوڑ و یار اس بات کو، تو ہم نے غوری صاحب سے پوچھا کہ آپ نے اس طرح کیوں کیا؟ تو اس عظیم انسان کا جواب تھا کہ انتظامی معاملات میں بعض اوقات سختی بھی کرنی پڑ جاتی ہے، شاید وہ شخص میری کسی بات سے نالاں ہوا ہو، اور اس نے میرا کمزور پہلو دیکھ کر وار کر دیا۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد انھوں نے ہم سے کہا کہ آپ لوگوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ لوگوں سے درگذر، معافی اور عفو کا معاملہ کریں، اور یہ بات یاد رکھیں کہ اگر آپ لوگوں کے لیے اپنے دل میں کینہ، نفرت، بغض اور عداوت رکھیں گے تو اس سے آپ کی اپنی شخصیت میں خلا پیدا ہوگا، آپ کے نفس میں خرابیاں پیدا ہوں گی۔ لوگوں کو جیتنے کی کوشش کیا کریں، کسی کو ایسے معاملات میں ہرا دینے سے بعض اوقات بندہ خود ہی ہار جاتا ہے۔

کسی کی عزت نفس کا خیال رکھنا کوئی ان سے سیکھے۔ ایک بار ہم ان کی معیت میں بیٹھے ہوئے تھے تو انھوں نے کہا کہ فلاں طالب علم کو بلا لاؤ۔ ایک اسٹوڈنٹ جانے لگا تو کہا کہ میں خود جاتا ہوں اس کے پاس، کیونکہ کام مجھے ہے۔ یہ چند لفظ تھے جو ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے چن دیے، وگرنہ معاملہ کچھ یوں ہے کہ یادوں کی رم جھم جاری ہے، لطیفے، قصے، کہانیاں، دعائیں، پڑھانے کا انداز، کیا کچھ اس رم جھم میں نہیں۔ ان کی شخصیت کا اصل پہلو علمی نوعیت کا ہے، ان کا انداز تحقیق مستشرقین کے ہم پلہ ہے، اور تقابل ادیان کا کوئی سنجیدہ طالب علم ان کے کام سے صرف نظر نہ کر سکے گا۔ اللہ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے، ان کو دعا دینے کے لیے غالب سے لفظ ادھار لیے:

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسن قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں

—— حافظ سعید احمد

(سابق طالب علم، المورد)

ہمارے پیارے غوری صاحب (مرحوم و مغفور)

میں لگ بھگ پندرہ (۱۵) سال قبل ''المورد'' میں حصول علم کی غرض سے وارد ہوا تھا۔ کچھ عرصے بعد انھوں نے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہمیں ایک سمسٹر میں ''فارسی زبان'' پڑھائی تو ان سے بحیثیت استاد میرا پہلا تعارف ہوا۔ ماشاء اللہ، وہ ایک باغ و بہار شخصیت تھے۔ بعد میں ان سے ''زبور'' کے کچھ حصے پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا جس سے ان کے اصل شوق اور اصل کام کا تعارف ہوا۔ تاہم اڑھائی سال کے تعلیمی عرصے میں ان سے بہت محدود تعلق رہا۔ البتہ، یہ جان کر از حد مسرت ہوئی تھی کہ سرکاری اسکولوں میں اسلامیات کی نصابی کتب کے مصنفین میں ایک نام ان کا بھی ہے۔

پھر کچھ عرصے بعد جب ''المورد'' کے لیے مجھے اپنی خدمات پیش کرنے کا موقع ملا تو ان سے باقاعدہ تعارف حاصل ہوا۔ ان کے علمی قد و قامت کا اندازہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت اور بائیبل پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ان کی عظیم الشان تحقیق کے بارے میں جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ بیوی کی جدائی کا غم سہنے کے باوجود ان کی روٹین میں کوئی فرق واقع نہ ہوا اور نہ شگفتگی میں کوئی کمی آئی۔ ہمارا ان کے کمرے میں آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔ کبھی وہ کسی کام سے بلا لیتے اور کبھی ہم فرسٹ ایڈ دواؤں کے لیے ان کے پاس چلے جاتے۔ کافی عرصہ تک ان کے کمرے میں چائے کا وقفہ بھی بڑے اہتمام سے ہوتا رہا۔ اس میں پیٹ پوجا کے ساتھ ساتھ جو اعلیٰ علمی و ادبی خوراک میسر ہوتی رہی، اس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا۔ محترم غوری صاحب کو اردو، فارسی اور عربی کے ساتھ ساتھ انگریزی پر بھی بڑی اعلیٰ دسترس حاصل تھی اور ہمیں ان سے ہر طرح کی لغات میسر آ جاتی تھیں۔ ان کی اپنی ذاتی لائبریری میں بہت سی نایاب اور قیمتی کتب موجود تھیں۔

غوری صاحب کی خاص بات یہ تھی کہ ان کا ذوق تحقیق تو یقیناً بائیبل تھی، لیکن وہ ایک جامع شخصیت تھے۔ اپنے کام سے ان کو ''عشق'' تھا۔ چنانچہ انھوں نے ریٹائرمنٹ کے بعد کمپیوٹر کا استعمال سیکھا اور اپنے کام کی حد تک وہ خود کفیل تھے۔ البتہ جہاں بھی ان کو کوئی مسئلہ ہوتا تو ہم سب ان کی خدمت کو اپنے کام پر ترجیح دیتے تھے۔ ہومیوپیتھی بھی ان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ تھا۔ میں چونکہ ہمیشہ سے ہومیوپیتھی کو ایلوپیتھی پر ترجیح دینے والوں میں سے ہوں تو اکثر اس سلسلے میں بھی میں ان کے کمرے میں حاضری دیتا رہا ہوں، بلکہ مجھے انھی کی بتائی ہوئی دوائی سے ایک کئی سال پرانے تکلیف دہ مرض سے نجات ملی اور کئی سال بڑے سکون میں گزرے۔

مرحوم غوری صاحب ہمارے امام بھی تھے۔ صحت نے جب تک وفا کی، وہ یہ خدمت بھی سر انجام دیتے رہے۔ ان کی کئی پرسوز قراءتیں اس وقت بھی یاد آ رہی ہیں۔ خاص طور پر ان کی معیت میں ان کی امامت میں جو جنازے پڑھنے کا اتفاق ہوا، وہ زندگی کا حاصل قرار دیے جا سکتے ہیں۔ میں ان کی میت کو کافی دیر تک دیکھتا رہا اور ان کے پڑھائے ہوئے جنازوں کو یاد کرتا رہا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

غوری صاحب ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنھیں صالح اور خدمت گزار اولاد ملی۔ میرا زیادہ تعارف صرف ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری صاحب سے ہے، بلکہ میں خوش قسمت ہوں کہ باپ بیٹا دونوں کا شاگرد بننے کا موقع ملا۔امید واثق ہے کہ وہ اپنے عظیم باپ کے علمی کاموں کے وارث بنیں گے اور ہمیں فیض یاب کرنے کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔محترم غوری صاحب کی وفات ہم سب کا مشترکہ غم ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو بالخصوص ان کے بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ہمیں جنت میں ایک بار پھر ان سے ملا دے۔آمین ثم آمین۔

أللّٰهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه۔

—— حافظ محمد ابراہیم شیخ

(سابق استاد، المورد)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

باباجی

غوری صاحب کی وفات پر کسی سے بات کرنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔سوچا فیس بک کا سہارا لے لوں، لیکن کھولا تو دوستوں نے اس محفل کو بھی ان کی یادوں کے پھولوں سے سجا دیا ہے۔

میری ان سے بہت کم ملاقاتیں رہیں، لیکن جب بھی ملے تو اتنی محبت اور اپنائیت سے ملے جیسے مجھے برسوں سے جانتے ہوں۔''المورد'' کی لائبریری میں بیٹھے اپنا کام کرتے رہتے تھے (کم از کم میں تو ان کو جب بھی ملا، وہیں ملا)۔پہلی بار ملے تو خود اٹھ کر گئے، دکان سے اپنی کتابوں کا سیٹ لائے اور اپنے دستخطوں سے عنایت کیا۔اس کے بعد میری طرف سے تو کوتاہی ہوئی، لیکن انھوں نے کئی بار فون پر یاد کیا اور ہر بار مجھ پر ان کی آواز سنتے ہی گھڑوں پانی پڑ جاتا کہ اس دفعہ بھی پہل انھوں نے کی۔

''المورد'' کے ایک اسٹاف ممبر کے ساتھ بیٹھے ہوئے جب میں نے بار بار سنا کہ وہ تو کھانا باباجی کے ساتھ کھائیں گے تو مجھ سے رہا نہ گیا۔پتا چلا کہ غوری صاحب مراد ہیں اور عملے کے بعض ارکان ان کی بے پناہ محبت اور شفیق شخصیت کی وجہ سے ان کو اسی نام سے پکارتے ہیں۔ان کے ساتھ، بلاشبہ یہی نام جچتا ہے۔

اللہ باباجی کے درجات بلند کرے اور ان کو اس ہستی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل نصیب کرے جس کی آمد کی

خوش خبریوں کو وہ آسمانی صحائف میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کے سامنے لاتے رہے۔

ـــــ عامر عبداللہ

(گلوبل دعوہ ہیڈ)

مشعل راہ

انسان کا دنیا میں آنا، کچھ وقت گزارنا اور پھر اس دنیا کو خیر باد کہہ دینا، ایک ایسا عمل ہے جو زندگی کی ابتدا سے جاری ہے اور آخری انسان کی موت تک جاری رہے گا۔ دنیا میں اپنا وقت پورا کرنے کے بعد انسان یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے، مگر اس کی یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔ یوں تو جناب غوری صاحب رحمہ اللہ کی بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر میں اس وقت ان کی صرف دو خوبیوں کا ذکر کروں گا:

۱۔ دین کی سربلندی کا جذبہ

۲۔ آخرت کی حقیقی فکر

جناب غوری صاحب سے میری پہلی ملاقات تقریباً چودہ سال قبل جناب انیس مفتی صاحب کے گھر دوپہر کے کھانے پر ہوئی۔ اس پہلی ملاقات میں ان کی شفقت بھری گفتگو مجھے ہمیشہ یاد رہی۔ کھانے کے دوران مفتی صاحب نے ان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ غوری صاحب نے بائیبل پر تحقیق کو اپنا مشن بنایا ہے اور وہ شب و روز پوری تن دہی سے اپنے اس مشن پر عمل پیرا ہیں۔ میں نے اگلے چودہ سالوں میں ان کو ہمیشہ اس مشن کی تکمیل کے لیے کوشاں پایا۔ اس عرصے میں انھوں نے اپنی تحقیق مکمل کر کے دو نامور کتب ''Muhammad Foretold in The Bible by Name'' اور ''The Only Son Offered for Sacrifice: Isaac or Ismael'' عالم اسلام کی خدمت میں پیش کیں اور ان کتب کے تراجم بھی مہیا کیے۔

میں نے آخر وقت تک ان کو اپنے اس مشن سے پیچھے ہٹتے نہیں دیکھا۔ انھوں نے اپنے شب و روز اپنے تحقیق کے کاموں کو مکمل کرنے، اس کی اشاعت، اس کی تشہیر اور اس کو تمام دنیا تک پہنچانے میں صرف کیے اور اس سب کے پیچھے خالصتاً دین کی سربلندی کا جذبہ کارفرما تھا۔ دین کی سربلندی کا یہ جذبہ آخر وقت تک ان کے دل و دماغ پر غالب رہا۔

فکر آخرت ان کی دوسری خوبی ہے جو میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ یوں تو اوپر بیان کردہ خوبی بھی اس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بات کی مظہر ہے کہ جناب غوری صاحب اپنی آخرت کے لیے کس قدر فکر مند تھے، لیکن میں آپ کی خدمت میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے شب وروز اس حقیقت کو بیان کرتے تھے کہ فکر آخرت ان کے جسم وجاں کا حصہ تھی۔

مجھے اکثر ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا موقع ملا اور ان کے ساتھ گپ شپ اور ان کی گفتگوئیں سننے کا موقع ملا۔ یوں تو ہم خاکی ہمیشہ گناہوں سے اٹے رہتے ہیں، مگر جب کبھی بھی جناب غوری صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے گناہوں اور لغزشوں کا ذکر آتا تو وہ ایک سچے مومن کی طرح زار وقطار رونے لگتے اور اللہ سے معافی کے طلب گار ہوتے۔ غوری صاحب تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ نماز کے بعد یا گپ شپ کے دوران وہ اصلاح ودعوت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے اور ہر وقت اپنے اردگرد، اپنے دوست احباب کی اصلاح کے لیے کوشاں رہتے اور اس کا مقصد اپنی آخرت کو سنوارنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ ان کوششوں سے اپنی آخرت کو ہمیشہ دنیاوی زندگی پر مقدم رکھتے۔

میں اس حقیقت سے باخبر ہوں کہ ہمارے بزرگ و محترم جناب غوری صاحب ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اور وہ ہمیں اپنی زندگی سے یہ سبق دے کر گئے ہیں کہ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم دین کی سربلندی کو اپنا مشن بنائیں اور فکر آخرت کو اپنے نس نس میں سمائیں۔

—— محمد راشد

(سابق رکن شعبۂ آڈیو/ویڈیو، المورد)

میرے دوست میرے بزرگ

جناب غوری صاحب نہایت رحم دل، زندہ دل اور ہمارے لیے ایک دوست اور بزرگ کی طرح تھے۔ ان کا نورانی اور باریش چہرہ دیکھ کر یہی محسوس ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ولی اور اس کے بہت قریب ہیں۔ ان کی وفات کی وجہ سے نہ صرف احسان صاحب وغیرہ، بلکہ میں بھی اپنے آپ کو یتیم محسوس کرتا ہوں۔ مجھے جتنا صدمہ غوری صاحب کی وفات سے ہوا ہے، اتنا میں نے اپنے والد صاحب کی وفات پر بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ ہماری ہر خوشی میں پیش پیش ہوتے تھے۔

ان کو میں اپنے باپ کی طرح سمجھتا تھا اور وہ ہمیں اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے، ایک باپ ہی کی حیثیت سے ان

کا رعب اور ڈر ہوتا تھا اور اسی حیثیت سے کبھی ان کی حکم عدولی بھی نہیں کی۔ میری کاروباری ترقی اور گھر کے سکون و اطمینان میں بھی ان کا دست شفقت تھا۔ اس حوالے سے وہ ہمیشہ دعا کرتے اور ان کی یہ دعائیں رنگ لائیں۔ وہ نم آنکھوں سے دعا کرتے تو اس سے ہماری آنکھیں بھی نم ہو جاتیں۔ اب ان کے جانے کے ساتھ ہی وہ دعائیں بھی رخصت ہو گئیں۔ ہمارے ذاتی اور گھریلو معاملات میں ان کا مشورہ شامل ہوتا تھا اور وہ اس کے حل کے لیے بہت کوشاں رہتے۔

آخری ملاقات ان کی ذاتی لائبریری میں ہوئی، تو انھوں نے چاروں طرف نظر کرتے ہوئے کہا کہ میرا خواب پورا ہو گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ''تمھارا ہاتھ ہمیشہ دینے والا ہی بنے، نہ کہ لینے والا۔''

اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

—— محمد ارشد اکبر

(عزیز جناب عبدالستار غوری صاحب، کلاسک فوٹو کاپی)

تدوین: شاہد رضا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محبت کس بیٹے سے تھی؟' اس امر کی تحقیق نہایت محنت سے کی جانی چاہیے۔ اور اس پر بے سوچے سمجھے ایک رواں سا تبصرہ نہیں کرنا چاہیے۔ پہلی بات جس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے، وہ بائبل کے یہ الفاظ ہیں: 'Whom thou lovest' یعنی 'جس سے تو محبت کرتا ہے'۔

یہ متعلقہ بیٹے کے لیے محض عام سا سادہ بیان نہیں ہے، بلکہ اس سیاق وسباق میں اس کے امتیازی خصائص کا بیان ہے۔ ان الفاظ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی بیٹے پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں چسپاں نہیں کیا جانا چاہیے۔ انھیں بڑی سوچ بچار اور ذمہ داری سے متعین طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلقہ بیٹے ہی پر لاگو کرنا چاہیے۔''

(اکلوتا فرزند ذبیح اسحٰقؑ یا اسمٰعیلؑ، عبدالستار غوری ۵۹)

کارکنانِ ''المورد'' کے تاثرات

سرغوری صاحب: محبت وشفقت کا دوسرا نام

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جس طرح ایک مکمل گھر میں سربراہ کے ہونے سے ایک تحفظ کا احساس ہوتا ہے، بالکل اسی طرح مجھے ''المورد'' میں غوری صاحب انتہائی شفیق بزرگ اور سربراہ کی حیثیت سے محسوس ہوتے تھے۔ میں نے ''المورد'' دسمبر ۲۰۰۴ء میں جوائن کیا۔ اس روز سے لے کر آج تک میں نے غوری صاحب کو بے پناہ محبت و پیار تقسیم کرنے والا اور بہت زیادہ خیال رکھنے والا انسان پایا۔ غوری صاحب کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ جب کوئی ان کے سامنے اپنا مسئلہ بیان کرتا تو پھر وہ اس مسئلے کو اپنا مسئلہ بنا لیتے اور اسے حل کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتے۔ اگست ۲۰۱۰ء میں مجھے کچھ مالی مسائل کا سامنا کرنا پڑا، میں نے غوری صاحب سے اس سلسلے میں بات کی تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ فوری انتظام کیا، بلکہ میں کسی وجہ سے ان کی طرف جا نہ سکا تو غوری صاحب خاص طور پر خود ''المورد'' تشریف لائے، اتفاق ایسا کہ میں ''المورد'' میں بھی موجود نہ تھا، انھوں نے مجھ سے فون پر رابطہ کیا اور اپنے خاص لہجے میں مخاطب ہوئے: ''ہاں بھئی کا کا میں پیسے لے کے ''المورد'' بیٹھا ہوں، تو کہاں ہے.....''۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں

غوری صاحب ''المورد'' میں ہر مہینے، ایک دو مرتبہ کھانے کا اہتمام، خاص اپنی جیب سے کرتے تھے۔ یہ ان کی تمام لوگوں سے محبت کا خصوصی اظہار ہوتا تھا۔ اگر کبھی ایسا نہ ہوتا تو کوئی ایک چیز، مثلاً سموسے وغیرہ منگوا کر سب میں تقسیم کرتے۔ اکثر خشک میوہ جات اپنے ہاتھوں سے ہر ایک کی سیٹ پر جا کر دیتے۔ ان کی کتابوں کی تیاری کے سلسلے

میرا اکثر اردو کمپوزنگ کے کام کے حوالے سے ان کے کمرے میں جانا ہوتا تو وہ سب سے پہلے کھانے والی کسی نہ کسی چیز کی مٹھی بھر کر جیب میں ڈالتے اور پھر کہتے کہ اب کام شروع کرو۔ مجھے اکثر کہتے: ''اوے بدمعاش، تو میری چھری تے کیوں نہیں ڈردا''۔ غوری صاحب اپنے پاس ہر وقت ایک فرضی چھری رکھتے تھے اور سب کو اس سے ڈرا کر تیر کی طرح سیدھا رکھتے تھے۔

ہم جب کبھی کسی تفریحی پارک میں جاتے تو اس میں غوری صاحب خصوصی طور پر شرکت فرماتے اور ہم سب میں ایسے گھل مل جاتے، جیسے وہ ہمارے ایج فیلو ہیں۔ ان موقعوں پر کھانے پینے اور جگہ کے انتخاب کے حوالے سے بالکل دوستوں کی طرح ہمیں اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازتے۔

غوری صاحب محبت وشفقت کا حسین امتزاج تھے۔ جو کوئی ان سے ایک مرتبہ مل لیتا، ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ پہلی ملاقات ہی میں وہ ایسا تاثر دیتے جیسے آپ کو برسوں سے جانتے ہیں۔ ایسے لوگ دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، اور ان کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے۔

۱۷؍اپریل جمعرات کے روز غوری صاحب سے ظہر کے وقت آخری ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ ''بس دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح چلدا پھردا اٹھالیوے'':

آخری بات ہے اب بات نہ ہو گی شاید
آج کے بعد ملاقات نہ ہو گی شاید

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت میں اپنی رحمت خاص کے سائے میں اعلیٰ مقام سے سرفراز کرے۔ آمین۔

—— نعیم احمد

(رکن شعبۂ تدوین، ماہنامہ اشراق)

غوری صاحب اور ان کی یادیں

جو اس دنیا میں آتا ہے، اسے بہرحال یہاں سے رخصت ہونا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے۔ مگر زندگی میں کچھ لوگ ایسے بھی ملتے ہیں جو ہمارے دل میں ایک خاص مقام پیدا کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ایک لمبے عرصے تک ہمارے ذہن ودل میں حسین یادوں کی صورت میں زندہ رہتے ہیں۔ بلاشبہ، غوری

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

صاحب کی شخصیت بھی ایسی تھی جو لوگوں کے دلوں میں لمبے عرصے تک اپنی محبت قائم رکھے گی۔

ان کی اپنے اردگرد موجود لوگوں سے محبت اور شفقت، ہر وقت دوسروں کی مدد کے لیے تیار رہنے کا جذبہ اور دوسروں کی تکلیف کو دیکھ کر مضطرب رہنا، ان کی خلق خدا سے محبت کی چند مثالیں ہیں۔

غوری صاحب اپنی عمر کے اس حصے میں بھی ایک زندہ دل شخصیت تھے۔ ان کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی کہ وہ اسٹاف کے ساتھ مختلف ٹورز کریں۔ وہ ہمارے ساتھ پارکس میں جاتے، کرکٹ گراؤنڈ میں جاتے اور اکثر اپنے پیسوں سے ہم سب کو کھانا کھلاتے۔ وہ ہم لوگوں کو خوش دیکھ کر ہی خوش رہتے۔ وہ ہمیں مختلف مقامات پر گھومنے کی ترغیب دیتے۔ ایک دفعہ ہم لوگوں نے مری گھومنے کا پروگرام بنایا، وہ ہمارے ساتھ تو نہ جا سکے، مگر اپنے ایک دوست ''چھینا صاحب'' سے کہہ کر ہمارے لیے اچھے قیام و طعام کا بندوبست کر دیا، جس کی بدولت ہمارا وہ تفریحی پروگرام ایک یادگار تفریحی پروگرام بن گیا۔

میں بہت سے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جن کی وہ مالی مدد کیا کرتے۔ بہت سے لوگوں کے گھریلو معاملات کو سلجھانے میں ان کی مدد کرتے۔ میں نے ان کو ہمیشہ اپنے لیے دعا گو ہی پایا، مگر اس کے باوجود جب بھی ان سے ملتا تو یہی کہتا کہ میرے لیے دعا کیا کریں اور وہ ہمیشہ بہت سی دعائیں دیتے۔

غوری صاحب صوفی ازم کے ناقدین میں سے تھے، مگر لوگ ان کے اردگرد ایسے ہی جمع رہتے، جیسے کسی صوفی بزرگ کے پاس لوگ فیض پانے کی خاطر جمع رہتے ہیں۔ ان کا فیض ان کی محبت اور شفقت ہی تھی جسے وہ بلاتردد جاری رکھتے۔

ان کی شخصیت میں ایک خاص طلسم تھا۔ ان کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کر کے ذہن پرسکون ہو جاتا۔ میں خود کو اس حوالے سے بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے غوری صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ ان کا انتہائی محبت سے چھری دکھا کر کام کہنے کا انداز، ان کا مسکان بھرا پرنور چہرہ، اپنائیت بھرا انداز گفتگو، ان کا نعرۂ مستانہ ''علی دا چوتھا نمبر'' اور نہ جانے کتنے ہی ایسے انداز جو تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح ذہن سے ٹکراتے ہیں تو ان کی یادوں کے بہت سے پھول کھل اٹھتے ہیں۔

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غوری صاحب کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

میں ان کے علم و تحقیق اور درس و تدریس پر کسی قسم کی رائے دینے کے قابل نہیں، مگر وہ اپنے کام سے جنون کی حد تک محبت کرتے تھے۔ اکثر ادارہ کی لائبریری میں کتابیں کھول کر پڑھتے رہتے۔ ان کی تصانیف ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ میں ہر ماہ انھیں ان کے کاموں کی رپورٹ کے حوالے سے ایک ای میل کیا کرتا تھا مارچ ۲۰۱۴ء میں آخری مرتبہ انھوں

نے اپنے جاری کاموں کے حوالے سے جو کچھ بتایا وہ انھی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

Dear Sir,

Assalamu Alaykum w Rahmatullahi w Barakatuhu.

After five months I'll be entering my eightieth year of life, if Allah so pleases. It is all by the grace of Almighty Allah that I am still contributing some valuable research in the realm of knowledge, and esp. in the field of Biblical studies so far unexplored by Muslim scholars. At this stage of my life it is neither advisable nor useful to undertake various assignments side by side. No dawah activity; no teaching except a weekly Qur'an lecture. My special field of research, Biblical studies, is of course in progress, alhamdulillah!

I had previously edited and thoroughly revised M. Ashraf Chheenah's book "Hagar, The Princess." Its second thoroughly revised edition is under process for some time. It is a long term all consuming assignment. Its Arabic translation is also under process. May Allah Almighty help and guide me and afford me the strength and guidance to accomplish this assignment in a befitting manner. Amen!

Of Course, I cannot perform such multifarious and heavy tasks as my brave and promising boys, Mr. Asif Iftikhar and Dr. Shehzad Saleem are befittingly undertaking.

Sincerely,
ASGhauri

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل غوری صاحب میرے پاس بیٹھے تھے۔ وہ کچھ پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ میں ان کی پریشانی کا سبب تو نہ جان سکا، مگر انھوں نے میز سے قلم اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے درج ذیل شعر لکھ کر کاغذ میرے سامنے کر دیا:

رہی نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

—— اظہر امیر

(رکن شعبۂ مالیات، المورد)

عبدالستار غوری صاحب —— کچھ یادیں

۲۲ / اپریل ۲۰۱۴ء جناب ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری سے معلوم ہوا کہ جناب عبدالستار غوری صاحب وفات پا

گئے ہیں۔ اپنی بات کو وہ سچ کر گئے کہ ''اس سال ہم سب کچھ چھوڑ کر سو جائیں گے۔''

جب پاکستان بنا تو غوری صاحب کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان کے شہر جھنگ میں رہایش پذیر ہو گیا۔ ان کی تعلیم ایم اے، بی ایڈ، فاضل اردو، فاضل فارسی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے کورس ''اللسان العربی'' میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ پہلی سے بارہویں جماعت تک کا اسلامیات، عربی اور ترجمۂ قرآن کا نصاب بنانے میں بطور ممبر نیشنل کمیٹی برائے نصاب سازی رہے۔ چھٹی سے آٹھویں تک کی اسلامیات اور لغت القرآن کی نصابی کتب لکھنے میں شریک مصنف رہے، اس کے علاوہ نیشنل ریویو کمیٹی کے ممبر، آزاد کشمیر کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' کے مضمون کی نصاب سازی اور کتابوں کی تیاری اور سی ٹی کی 'تدریس اردو' کی کتاب میں بھی شریک مصنف رہے۔

جناب عبدالستار غوری صاحب نے اپنی تدریس کا سلسلہ ستمبر ۱۹۶۱ء میں شملہ اسلامیہ ہائی اسکول راولپنڈی سے شروع کیا۔ پھر مارچ ۱۹۶۶ء میں ممتاز ماڈل ہائی سکول (بنّی) راولپنڈی کے ڈپٹی ہیڈ ماسٹر بن گئے۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء تا اگست ۱۹۸۵ء گورنمنٹ گیلانی ہائی اسکول واہ کینٹ میں ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اگست ۱۹۸۵ء سے اگست ۱۹۹۴ء تک گورنمنٹ ماڈل ہائی اسکول راولپنڈی میں ماہر مضمون رہے۔ اگست ۱۹۹۴ء تا اگست ۱۹۹۵ء گورنمنٹ ہائی سکول گڑھی افغانان ٹیکسلا میں بطور ہیڈ ماسٹر رہے، اور یہیں سے بطور ہیڈ ماسٹر ریٹائر ہوئے۔

ریڈیو پاکستان سے ۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۵ء قریباً آٹھ سال حدیث نبوی کے موضوع پر ہفتے میں دو تقاریر نشر ہوتی رہیں۔ اس کے علاوہ بعض دیگر موضوعات پر بھی ریڈیو پاکستان سے تقاریر نشر ہوتیں۔ کئی سال تک واہ کینٹ اور ٹیکسلا میں خطبہ وخطاب جمعہ اور اسلام آباد میں درس قرآن دیتے رہے۔

اگست ۱۹۹۶ء میں جناب عبدالستار غوری صاحب نے ''المورد'' میں شمولیت اختیار کی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مجھے غوری صاحب کا قرب اس وقت نصیب ہوا، جب ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے دسمبر ۱۹۹۷ء میں ''المورد'' میں ان کا تقرر ہوا۔ دفتری اوقات کے بعد میں اکثر ان کے پاس چلا جاتا۔ انھوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آپ میرا وقت ضائع نہ کریں۔

غوری صاحب اوپر کے ایک کمرے میں بیٹھا کرتے تھے، اس وقت مجھے ''المورد'' لائبریری کی کتابوں کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی تھی اس لیے غوری صاحب سے اکثر رابطہ رہتا۔ وہ بہت محبت کرنے والے انسان تھے۔ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ پڑھ لے اور ۱۹۹۸ء میں ایک کورس کے لیے اپنی جیب سے داخلہ بھی بھجوایا۔ میں نے داخلہ لے لیا، لیکن گھریلو حالات کی وجہ سے میں کورس مکمل نہ کر سکا۔

۲۰۰۴ء میں غوری صاحب ادارے کے فیلو بن گئے اور میری نشست چونکہ اوپر ہال میں تھی، اس لیے جب غوری صاحب کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی، مجھے آواز دے لیتے اور میں فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔

غوری صاحب سال میں ایک یا دو مرتبہ سب دوستوں کو کھانے کی دعوت دیتے تھے۔ احباب کو کھانا کھلا کر غوری صاحب کو ایک دلی سکون اور راحت ملتی۔ یہ کہتے کہ یہ ان احباب کی قسمت کا تھا۔ اس کا صلہ مجھے اللہ پاک آگے جا کر دیں گے۔

۲۰۰۸ء تا ۲۰۱۴ء کا دور غوری صاحب نے میری نشست کے ساتھ لائبریری ہال میں گزارا۔ ہر جمعرات کو وہ ضرور آتے، کیونکہ انھوں نے اپنے ایک دوست درانی صاحب کے گھر درس دینے کے لیے جانا ہوتا تھا۔ سارا دن لائبریری میں اپنے لیپ ٹاپ پر کام کرتے۔ جب تھک جاتے تو قریب ہی لیٹ جاتے۔ مجھے پیار سے ''اشرفی'' یا ''اشرفیاں'' کہتے تھے۔ کبھی کبھی موڈ میں ہوتے تو ''اوئے بدمعاش'' بھی کہہ دیتے تھے۔

باباجی کو باغ بانی کا بہت شوق تھا۔ وہ اکثر عمران سے مختلف سبزیوں اور پھلوں کے بیج منگوایا کرتے تھے۔ خیابان امین جہاں جناب عبدالستار غوری صاحب کی رہایش ہے، باباجی نے مختلف قسم کی سبزیاں اگائی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ جامن، بیر اور آم کے پیڑ بھی لگائے ہوئے تھے، جو اب بھی موجود ہیں۔ ایک مرتبہ سردیوں میں، میں غوری صاحب کے گھر گیا۔ غوری صاحب نے مجھے خود اپنے ہاتھوں سے زمین سے مولی نکال کر دھو کر کھلائی اور مجھ سے کہا: کیوں اشرفیاں، مزے دار ہے کہ نہیں، اگر مزے دار نہیں تو پیسے واپس، میں ہنس پڑا اور کہا کہ سر، بہت مزے دار ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایک مرتبہ غوری صاحب سے پوچھا کہ آپ کی زندگی کا سب سے زیادہ خوش کن موقع یا لمحہ کون سا تھا؟ غوری صاحب نے کہا کہ ایک دفعہ پورے پاکستان کے لیول پر عربی کورس کا ایک امتحان ہوا۔ میں نے سوچا کہ چلو دے کر دیکھ لیتے ہیں۔ غوری صاحب کہتے ہیں کہ جب نتیجہ آیا تو میں حیران رہ گیا کہ پورے پاکستان میں، میں اس کورس میں اول آیا۔ مجھے گولڈ میڈل دینے کے بارے میں فیصلہ ہوا اور گولڈ میڈل دینے کی تقریب اسلام آباد میں ہوئی تھی، جس میں مہمان خصوصی، اس وقت کے صدر پاکستان جناب جنرل ضیاء الحق صاحب تھے، لیکن کسی وجہ سے صدر پاکستان نہ آ سکے۔ مجھے گولڈ میڈل پہنایا گیا۔ غوری صاحب کہتے ہیں کہ اس وقت میرے چہرے پر جو مسرت یا مسکراہٹ تھی، وہ آج تک نہیں آئی۔ یہ میری زندگی کا سب سے اہم ترین اور خوش کن لمحہ تھا۔

جناب عبدالستار غوری صاحب ایک بہت بڑی علمی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کو اردو، انگریزی، فارسی اور عربی زبان پر کمال دسترس تھی۔ اس کے علاوہ عبرانی، ہندی اور سنسکرت زبان بھی کچھ کچھ جانتے تھے۔ مجھے اکثر قرآن مجید کے تفسیری نکات بتاتے رہتے تھے۔ جب کوئی علمی شخصیت ساتھ ہوتی تو عالمانہ گفتگو کرتے، نوجوانوں کے ساتھ

ہوتے تو نوجوان بن جاتے اور بچوں کے ساتھ بچے بن جاتے۔

۲۰۱۲ء اور ۲۰۱۳ء میں غوری صاحب نے اپنی کتاب ''محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں'' کے دوسرے ایڈیشن کی تمام غلطیاں مجھ سے لگوائیں۔ اس کتاب کے ایک باب میں ایک جگہ پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک پیرا ہے، جب وہ پیرا آیا تو رک گئے۔ مجھے پڑھ کر سنایا اور رو پڑے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ ''جب میں خدا کے حضور پیش ہوں تو یہ کتاب میرے ہاتھ میں ہو اور میں رو رو کر یہ التجا کروں کہ اے خدا، تیرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر میں نے یہ کام کیا ہے، تو مجھے معاف فرما دے۔'' اکثر نماز ظہر یا عصر کے بعد ہم سب دوستوں کو ایک مختصر سا درس بھی دیا کرتے تھے۔

ایک دن غوری صاحب کو موٹر سائیکل پر لے جاتے ہوئے میں نے اچانک بریک لگا دی، غوری صاحب نے کہا: کیوں، کیا ہوا؟ میں نے کہا: سر، سڑک پر پیچھے ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا ہے، میں نے سوچا کہ ایک طرف کر دوں۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ غوری صاحب فوراً اترے اور جا کر پتھر ایک طرف کر دیا۔ غوری صاحب واپس آئے اور کہا: آپ کا شکریہ کہ اس ثواب میں مجھے بھی شامل کیا۔

میں اکثر غوری صاحب سے دعا کی درخواست کرتا رہتا۔ خاص طور پر جب میں یا میرے اہل خانہ میں سے کوئی بیمار ہوتا یا میرے بچوں کے امتحان ہوتے۔ میری غوری صاحب سے آخری ملاقات ۱۵/ اپریل ۲۰۱۴ء کو ان کے بیٹے احسان الرحمٰن غوری صاحب کے ہاں جوہر ٹاؤن میں ہوئی۔ ۱۷/ اپریل ۲۰۱۴ء بروز جمعرات، آخری مرتبہ ادارے میں تشریف لائے، کیونکہ اس دن انھوں نے اپنے دوست کے گھر درس دینے جانا تھا۔ اس روز نماز ظہر اور عصر ہم سب دوستوں کے ساتھ پڑھی، تقریباً سوا چار بجے غوری صاحب لائبریری سے چلے گئے۔ میں نے اٹھ کر لائبریری کا دروزاہ کھولا، سلام کیا اور دعا کے لیے کہا:

وہ نہیں بھولتے جہاں جاؤں
ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں

—— محمد جاوید اشرف
(لائبریرین، المورد)

غوری صاحب: ایک مہربان انسان

جب سے میں ''المورد'' میں آیا ہوں، میرا غوری صاحب سے کسی نہ کسی طور پر تعلق رہا ہے۔ وہ اپنی کتابوں کی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کمپوزنگ وغیرہ کا کام زیادہ تر خود ہی کرتے تھے، لیکن بعض اوقات وہ میری اور نعیم صاحب کی خدمات بھی حاصل کرتے تھے۔ وہ خود پاس بیٹھ کر اغلاط کی تصحیح کا کام کرواتے اور جو غلطی صحیح ہو جاتی، اس کو مسودے پر او کے بھی کر دیتے۔ یوں اغلاط کی تصحیح کے ساتھ ساتھ پڑتال کا کام بھی ہو جاتا۔ وہ اس سلسلے میں بہت محتاط تھے کہ کہیں کوئی غلطی رہ نہ جائے۔ کتاب کے ٹائٹل کے بارے میں بھی ہر ایک سے رائے لیتے تھے۔ جب ان کی کوئی کتاب شائع ہوتی تو اس کا ایک ایک نسخہ اپنے دستخطوں کے ساتھ اسٹاف کے ہر رکن کو دیتے تھے۔

غوری صاحب نہایت مہربان انسان تھے۔ ہر ایک کی مشکل میں مدد فرماتے تھے۔ وہ ''المورد'' کے اسٹاف کو اپنے بچوں کی طرح چاہتے تھے اور تمام اسٹاف بھی ان کا اپنے بزرگوں کی طرح احترام کرتا تھا۔

میری ان سے آخری ملاقات جمعرات ۱۷/ اپریل کو ہوئی۔ وہ کافی کمزور لگ رہے تھے۔ میں نے ان سے ان کی صحت کے بارے میں پوچھا تو بتانے لگے کہ چیک اپ کرایا ہے، ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ آپ کے دل کی دیواریں کافی سخت ہوگئی ہیں۔ انھوں نے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جیسے ایک مزدور کے ہاتھ مزدوری کرتے کرتے بہت سخت ہو جاتے ہیں، ویسے ہی میرے دل کی دیواریں بھی شوگر اور بلڈ پریشر کی وجہ سے کافی سخت ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹروں نے دوائیں دی ہیں اور کل پھر چیک اپ کے لیے جانا ہے۔ غوری صاحب کہنے لگے کہ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے چلتے پھرتے ہی اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

پیر کی صبح انھیں ہارٹ اٹیک ہوا اور منگل کی صبح وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگذر فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے۔ آمین۔

—— محمد فاروق ضمیر

(رکن شعبۂ تدوین، المورد)

ایثار و قربانی کا پیکر

محترم عبدالستار غوری صاحب بڑے ہی نیک، عاجزی پسند، محبت کرنے والے اور ہمدرد انسان تھے۔ مجھے اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے اور میری بڑی عزت کرتے تھے، یہاں تک کہ میری بیوی کو بیٹی کا درجہ دیتے تھے۔ ہمارے گھر کا کھانا بڑے خوش ہو کر تناول فرماتے تھے۔ ہماری ضروریات کا توقع سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ جب میں نے

گھر بنانا شروع کیا تو غوری صاحب اور ان کے بیٹے احسان الرحمٰن غوری صاحب نے الگ الگ تعاون کیا اور کہا کہ ہمیں بڑی خوشی ہوگی کہ آپ کے گھر میں ہمارا بھی کچھ تعاون شامل ہو۔

جب میں نے موٹر سائیکل خریدنی تھی، میری بیوی نے غوری صاحب سے ۳۰ ہزار روپے کی درخواست کی، تو انھوں نے فرمایا کہ میں آپ کو ۴۰ ہزار روپے دیتا ہوں، مگر کل تک زیرو میٹر موٹر سائیکل آنی چاہیے۔ چنانچہ غوری صاحب کے تعاون سے اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا کہ ہم نے زیرو میٹر موٹر سائیکل خرید لی۔

غوری صاحب نے میری روحانی اور جسمانی اصلاح میں رہنمائی فرمائی۔ میرے والدین انتقال کر گئے ہیں، مگر مجھے غوری صاحب کو دیکھ کر ایسے لگتا تھا کہ ابھی میرے والد صاحب زندہ ہیں اور غوری صاحب کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لیتا تھا۔ اب مجھے پروفیسر خورشید عالم صاحب میں غوری صاحب نظر آتے ہیں۔ غوری صاحب کی جدائی ایک ناقابل برداشت تلافی ہے اور ان کی کمی تاحیات محسوس ہوتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ غوری صاحب کی آخرت کی منزلیں آسان فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

—— حفیظ اللہ

(رکن اسٹاف، المورد)

ایک ناصح

ادارہ ''المورد'' میں کام کے آغاز سے پہلے اور کچھ عرصہ بعد تک شخصیت میں اعتماد کا بہت فقدان محسوس کرتا تھا، اور اسی احساس کے ساتھ ہی میں جناب عبدالستار غوری صاحب سے متعارف ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ غوری صاحب کی ادارے میں وہی حیثیت ہے جو جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی ہے، کیونکہ میں تب ادارے کے لوگوں کے مزاج سے واقف نہیں تھا اور ایک طرح کا ڈر محسوس کرتا تھا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ میرا ڈر ختم ہو گیا اور اس کی جگہ احترام و محبت نے لے لی۔ مجھے غوری صاحب نے پہلی بار اپنی کتاب کے ٹائٹل کی ڈیزائننگ کے سلسلے میں طلب فرمایا اور جناب سجاد خالد صاحب کا بنا ہوا ایک نمونہ مجھے دکھایا، اور کہا کہ میں اپنی رائے دوں۔ سجاد خالد صاحب کو بھی میں اپنا استاد مانتا ہوں اور کچھ غوری صاحب کا اس طرح رائے طلب کرنا میرے لیے باعث فخر تھا۔ اس واقعہ سے میں نے وہ عزت کا احساس پایا کہ جیسے اس کی ہمیشہ سے آرزو تھی۔ ''المورد'' کے دیگر اسکالرز سے اکثر صرف کام کے متعلق ہی

گفتگو ہوتی ہے، مگر اکثر جب کسی معاملے میں کوئی الجھن ہوتی، بے دھڑک غوری صاحب کے پاس پہنچ جاتا اور اپنا مسئلہ بیان کرتا۔ جناب محترم اس طرح گفتگو فرماتے کہ محسوس ہوتا کہ میرا مسئلہ ان کے لیے سب سے اہم ہے، اور میرے اطمینان تک گفتگو جاری رہتی۔ بے شک، اللہ ہی ہدایت دیتا ہے اور خالق عظیم کا یہ احسان ہے کہ محترم غوری صاحب بھی اس کا ایک وسیلہ بنے۔ میں نے شاید ہی کبھی ان کو اپنی کسی ذاتی وجہ سے پریشان پایا، جب بھی معلوم ہوا یہی کہ میرے جیسے کسی بندے کے مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں کہ اس کی مشکل کیسے آسان کی جائے۔ مجھے اپنی انتہا کی کم علمی اور کم فہمی کا ادراک ہے اور میرے الفاظ جناب غوری صاحب کو خراج تحسین پیش کرنے کے شایان شان ہرگز نہیں ہیں۔ خالق سے دعا ہے کہ وہ جناب غوری صاحب کی خطائیں معاف فرما کر ان کو جنت میں اعلیٰ مقام دے۔ آمین۔

—— محمد مشتاق

(رکن شعبۂ آڈیو/ویڈیو، المورد)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میرے محسن

غوری صاحب ویسے تو سب کے ساتھ ہی بہت اچھے تھے، لیکن میرے ساتھ انھوں نے جو نیکی کی ہے، میں شاید ہی اسے بھول پاؤں۔ میرا بیٹا عدیل احمد راولپنڈی کے ایک ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ اس کے اخراجات کے حوالے سے میں بہت پریشان تھا۔ پھر میں نے خود کو سنبھالا اور جیب سے فون نکال کر اپنے محسن بابا جی کو فون ملایا۔ بابا جی اس وقت گوجرانوالہ میں تھے۔ بابا جی نے میرے مسئلے کو غور سے سنا اور فوری طور پر اس کے حل کے لیے تگ و دو کی۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں کیسے بیان کروں۔ آدھے گھنٹے کے اندر ان کے بھجوائے ہوئے ایک شخص نے مجھے رقم پہنچائی، جو میں نے ہسپتال میں جمع کرائی۔ اس کے بعد بابا جی مجھے ہر روز فون کر کے میرے بچے کی حالت دریافت کیا کرتے۔

اللہ تعالیٰ میرے بابا جی کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

—— حافظ عزیز احمد

(رکن اسٹاف، المورد)

ہردلعزیز شخصیت

محترم غوری صاحب کو میں دس سال سے جانتا ہوں۔ وہ جب بھی ''المورد'' میں آتے تو ان کے چہرے پر ایک خوب صورت مسکراہٹ ہوتی۔ غوری صاحب کی اور میری جب بھی ملاقات ہوتی اور میں ان کو سلام کرتا تو وہ سلام کے جواب میں مجھ سے کہتے: Hello, Mr Tariq کیا حال ہے تُمھارا؟ جو ان کے منہ سے بہت اچھا لگتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان کو ''المورد'' کی لائبریری میں خاص طور پر سلام کرنے جاتا اور یہ الفاظ ان کے منہ سے سن کر میں خوشی محسوس کرتا۔

جب بھی اسٹاف کے لوگ آپس میں کوئی دعوت کرتے تو غوری صاحب کا نام سرفہرست ہوتا تھا۔ وہ پارٹی دفتر کے اندر ہو یا باہر، غوری صاحب اس میں لازمی شرکت فرماتے تھے اور جب کبھی بھول چوک میں غوری صاحب کو نہ شامل کیا جاتا تو وہ وقتی طور پر ناراض ہو جاتے اور دوران گفتگو مان بھی جاتے۔

ان میں ایک خاص بات تھی کہ وہ ہر عمر کے لوگوں کے ساتھ اپنے آپ کو adjust کر لیتے تھے، یعنی بچوں کے ساتھ بچے، بڑوں کے ساتھ بڑے اور نوجوانوں کے ساتھ نوجوان بن جاتے تھے۔ میرے خیال میں یہی بڑی وجہ ہے کہ وہ ہردل عزیز تھے۔

دو سال پہلے وہ اپنے بیٹے سے ملنے انگلینڈ گئے جہاں وہ تقریباً ایک ماہ رہے۔ جب وہ ''المورد'' آئے تو سب کو گلے ملے اور کہا کہ میں آپ سب کے بغیر بڑا اداس ہو گیا تھا۔ انگلینڈ سے وہ ایک جیکٹ لائے جو انھوں نے پہنی ہوئی تھی۔ میں نے کہا سر آپ نے جیکٹ بڑی اچھی پہنی ہے تو انھوں نے کہا: یہ میں انگلینڈ سے لایا ہوں، جس پر میں نے کہا: سر، جب آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہو گی تو آپ یہ مجھے گفٹ کر دیجیے گا، جس پر انھوں نے مسکرا کر کہا: لے لئیں، لے لئیں۔

جب کبھی اسٹاف کے لوگوں کو قرض کی ضرورت پڑتی تو وہ غوری صاحب سے ضرور رجوع کرتے تھے۔ اسی طرح مجھے بھی اپنے گھر کی تعمیر کے سلسلے میں قرض کی ضرورت پڑ گئی۔ ان کے پاس مطلوبہ رقم اس وقت نہ تھی جو مجھ کو چاہیے تھی، لیکن انھوں نے مجھے انکار تو نہ کیا، بلکہ کہا کہ تم چار دن بعد پتا کرنا۔ ٹھیک چار دن بعد مجھے مطلوبہ رقم مل گئی۔

غوری صاحب اکثر لائبریری میں اشرف صاحب کے پاس بیٹھے اپنی کتب پر کام کیا کرتے تھے۔ میں جب بھی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لائبریری میں بیٹھا کام کر رہا ہوتا تو نماز کے وقت وہ مجھے کہا کرتے تھے: چلو تم بھی ہمارے ساتھ نماز پڑھو، تو میں مسکرا کر کہتا: سر جی، میں باجماعت نہیں پڑھتا، بعد میں پڑھوں گا۔ ہمارے ایک ساتھی نے سن لیا اور کہا: سر جی، اس کو نماز آتی ہے جس پر وہ بڑا خوش ہوئے۔

غوری صاحب اپنی کتاب ''بائبل میں نام محمدؐ'' کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن تیار کر رہے تھے۔ میں ان کے پاس بیٹھا تھا تو انھوں نے وہ dummy نکالی جو انھوں نے ریسرچ کی تھی۔ بائبل کی آیات جو انھوں نے ''غزل الغزلات'' بائبل کی کتاب سے لی تھیں، پڑھیں اور کہا کہ یہ پیشین گوئی حضرت مسیح کے بارے میں نہیں، بلکہ حضرت محمدؐ کے بارے میں ہے، اور کہا: جب یہ کتاب پرنٹ ہو کر آئے گی تو میں تمھیں پڑھنے کے لیے گفٹ کروں گا اور جب اسے پڑھو گے تو یہ ضرور تم پر گہرا اثر کرے گی اور اسے پڑھنا ضرور اور اسے پڑھنے کے بعد تم اسلام قبول کر لو گے اور ہم سب تمھارے پیچھے نماز باجماعت ادا کریں گے۔ میں نے کہا: سر، ضرور دیجیے گا۔

خدا تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

—— طارق نذیر

(رکن اسٹاف، المورد)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

[کارکنان ''المورد'' کے درج ذیل تاثرات شاہد رضا نے اُن کی گفتگوؤں سے مرتب کیے ہیں۔]

عاجزی و انکساری کا پیکر

جناب عبدالستار غوری صاحب کے ساتھ تقریباً سولہ سال رفاقت رہی، اس دوران میں کبھی بھی محسوس نہیں ہوا کہ وہ کوئی ہم سے الگ فرد ہیں۔ بلاشبہ، وہ جتنے بڑے اسکالر تھے، اتنے بڑے انسان بھی تھے۔ عاجزی و انکساری ان کا ایک نمایاں پہلو تھا، کیونکہ مختلف اجتماعات میں وہ ہمارے ساتھ اس طرح گھل مل جاتے تھے، جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کے ساتھ گھل مل جاتا ہے۔

انھوں نے مشکل حالات میں ہمیشہ ہماری حوصلہ افزائی کی اور ہمیں خاندانی ارکان کی طرح متحد رکھا، اس کے لیے وہ وقتاً فوقتاً دعوت کا اہتمام کرتے رہتے تھے۔ ان کے سامنے کوئی شخص بھی اپنے مافی الضمیر کو بلا جھجک بیان کر سکتا تھا۔

''المورد'' میں آخری ملاقات میں ان کی باتوں سے ایسا محسوس ہورہا تھا، جیسے وہ الوداعی ملاقات کرنے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دارآخرت میں ان کو بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

—— عظیم ایوب

(رکن شعبۂ تدوین، ماہنامہ رینی ساں)

شفیق بزرگ

بے شک، جناب عبدالستار غوری صاحب ایک مہربان اور علمی شخص تھے۔ وہ ''المورد'' کی رونق تھے۔ وہ ہمارے لیے ایسے ہی تھے، جیسے ایک گھر کا سربراہ ہوتا ہے۔ ان کی وفات سے اس گھر میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے، جو پورا نہیں ہوسکتا۔ وہ اکثر ہمیں اصلاح نفس کے لیے درس دیتے تھے۔ وہ ہر ایک کا خیال رکھتے تھے۔ کسی اجتماع میں عدم موجودگی کی صورت میں میرے بارے میں استفسار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو بلند درجات سے نوازے۔ آمین۔

—— محمد حنیف

(رکن اسٹاف، المورد)

ایک دردمند انسان

والد صاحب کی وفات کے بعد میرے محسن جناب محترم عبدالستار غوری صاحب ایک باپ کی طرح ہی تھے۔ انھوں نے مجھے ایک خاندانی فرد کی طرح ہی گردانا اور ان کو ہم نے بھی ایک خاندانی بزرگ کی طرح سمجھا، کیونکہ بعض اوقات میری اور میرے خاندان کی خبر گیری کے لیے تشریف لاتے تھے۔ ان کے بارے میں میرا احساس وہی تھا جو ایک حقیقی باپ کے بارے میں ہوتا ہے۔

انھوں نے ہر اس معاملے میں میری معاونت فرمائی جو مجھے درپیش ہوتا۔ ان کے ہوتے ہوئے میں ان پریشانیوں اور مسائل سے نمٹنے کے لیے بہت ہمت محسوس کرتا تھا جن کا انسان کو سامنا رہتا ہے، یہاں تک کہ وقت وفات اپنے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بیٹے جناب احسان الرحمٰن غوری صاحب کو کہہ گئے کہ ''عمران اور اس کے بچوں کا خیال رکھنا''۔آخر وقت تک ان کی خدمت کرنے کا موقع ملا۔

آخری دفعہ جمعرات ۱۷/اپریل ۲۰۱۴ء کو جب ''المورد'' تشریف لائے تو کہا کہ ''آخری بار خدمت کرلو، میں اس کے بعد نہیں آؤں گا''۔ رب العٰلمین ان کو اخروی کامیابی سے ہمکنار کرے۔آمین۔

ــــ عمران خان

(رکن اسٹاف، المورد)

ہمدرد انسان

جناب عبدالستار غوری صاحب نہایت شفیق اور ہمدرد بزرگ تھے۔ان کے ساتھ محبت اور اپنائیت کا ایک خاص تعلق تھا۔مثال کے طور پر اپنے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں کسی وجہ سے جناب غوری صاحب کو اطلاع نہ کر سکا تو خاصے ناراض ہوئے اور ان کی ناراضگی کی وجہ بہت واضح تھی۔انھوں نے ہماری ذاتی ضرورتوں کو بھی اپنا سمجھا۔وہ ہمیں اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔

انھوں نے مذہبی رواداری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی نہایت مشفقانہ انداز میں وقتاً فوقتاً میری رہنمائی کی۔ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اسے پورا نہیں کیا جا سکتا۔ان کی وفات سے نہ صرف مجھے، بلکہ میرے اہل خانہ کو بھی دلی صدمہ ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

ــــ جاوید مسیح

(رکن اسٹاف، المورد)

خوش اخلاق انسان

جناب عبدالستار غوری صاحب بہت اچھے اور عظیم انسان تھے۔ان کی اچھائی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ عید اور کرسمس وغیرہ جیسے تہواروں پر ہمارے ساتھ بہت تعاون فرماتے تھے، جس سے ہماری خوشیوں کو چار چاند لگ جاتے۔آج وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں، مگر اپنے افکار و تعلیمات کے ذریعے سے ہمیشہ ہمارے ساتھ زندہ رہیں گے۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی تو بہت خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے۔

ایک دفعہ ان سے ملاقات کرنے گیا، تو دوران گفتگو کہا کہ ''خدا کی طرف دھیان لگاؤ اور جھوٹ سے ہمیشہ اجتناب کرو، کیونکہ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے''۔ وہ مذہبی تعلیمات کے بارے میں بھی رہنمائی کرتے تھے۔ خداوند کریم ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

—— یوسف آگسٹین

(سابق رکن اسٹاف، المورد)

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

'''تیرے ہی بھائیوں میں سے' کی ترکیب اولادِ اسماعیلؑ ہی سے متعلق ہے۔ کتاب 'استثنا' کے اسی باب ۱۸ کی آیت ۲ میں یہ جو درج ہے کہ 'اس لیے ان [بنی لاوی] کے بھائیوں کے ساتھ ان کو میراث نہ ملے' تو اس میں لفظ 'بھائیوں' سے مراد بنی لاوی کو چھوڑ کر باقی یہودی قبائل ہی ہو سکتے ہیں، اور یہاں بنی لاوی بالکل واضح طور پر اس لفظ 'بھائیوں' میں شامل نہیں ہیں۔ اسی طرح مندرجہ بالا زیر بحث عبارت سے بنی اسرائیل خارج قرار پاتے ہیں۔ پس 'تیرے ہی بھائیوں میں سے' کی ترکیب سے صرف 'اولادِ اسماعیلؑ میں سے' ہی کوئی مراد ہو سکتا ہے، اور اس کے نتیجے کے طور پر لفظ 'ایک نبی' کا تعلق صرف اولادِ اسماعیلؑ ہی کے نبی سے ہو سکتا ہے۔ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔''

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں، عبدالستار غوری ۳۵)